ماہنامہ

خالد

ربوہ

امان ۱۳۴۸ ہش - مارچ ۱۹۶۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

استبقوا الخیرات

قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی

— المصلح الموعود —

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ خالد ربوہ

جلد ۱۵ — شمارہ ۳

ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ ؛ امان ۱۳۴۸ ہش

مارچ ۱۹۶۹ء

مدیر اعلیٰ: محمد اسلم شاد - منگلا

مدیران: منصور احمد خاں - ظہیر الدین منصور احمد

معاونین: منصور احمد ملک - وحید احمد جنجوعہ

قیمت سالانہ: چھ روپے ؛ قیمت فی پرچہ ۶۰ پیسے

(محمد شفیق قیصر پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ سے شائع کیا)

ترتیب

صفحہ

اداریہ

دو باغ

تصوّر کی آنکھ سے مَیں نے دو عجیب باغ دیکھے۔ جو دو ایسے باغوں کی تصویر تھے جو واقعات کی دنیا میں موجود ہیں اس پر مَیں نے چاہا کہ اپنے خدام بھائیوں کو بھی ان باغوں کی سیر کراؤں۔

پہلا باغ۔

ایک باغ ایسا تھا جس کے مالیوں کی نظر بس پھولوں اور پھلوں اور نازک کونپلوں پر تھی۔ اور وہ اُن کے فروغ کے لئے بہت کوشاں تھے۔ انہوں نے ایسے ایسے طریق ایجاد کئے کہ اس باغ کے پودے جو خوراک بھی زمین یا ہوا سے لیتے تھے وہ سب پھولوں اور پھلوں اور نازک پتیوں کی نظر ہو جاتی تھی۔ اور جڑوں اور تنوں کے لئے بہت کم بچتا تھا بمشکل قوت کا سامان انہیں میسّر تھا۔

اس باغ پر شادابی کا ایک ایسا وقت آیا کہ سورج مکھی اور گل بکاؤلی کی طرح بڑے بڑے پھولوں وہ بھر گیا اور اتنے بڑے بڑے پھل آنے لگے کہ بوجھ سے کمزور شاخیں جھکنے لگیں یہ بظاہر ایک بڑا ہی خوشنما منظر تھا جو دل کو باغ باغ کرتا تھا۔

لیکن یہ پھل ابھی کچّے تھے اور سب پھول پھلوں میں تبدیل نہیں ہوئے تھے۔ پھر باقی پھول بھی پھلوں کی شکل اختیار کرنے لگے اور پھولوں اور پھلوں میں ایک دوسرے سے خوراک چھیننے کی حیرت انگیز جنگ شروع ہوگئی۔ بہت سے پھول بِن کھِلے مرجھا گئے اور بہت سی کونپلیں زرد پڑ گئیں۔ اور باغ کی زمین سُوکھے پتّوں اور مرجھائے ہوئے پھولوں سے بھر گئی۔ تب پھلوں کی باہمی کھینچا تانی کے نتیجے میں بعض پھلوں نے دوسرے پھلوں کی سب خوراک کھینچ لی۔ اور حیرت انگیز طور پر موٹے اور جسیم ہو گئے۔ یہاں تک کہ انگوروں نے سیبوں کا حجم اور سیبوں نے تربوزوں کا جُثّہ اختیار کر لیا۔ اور بعض پھول اتنے بڑے ہو گئے کہ ان کے سائے تلے چھوٹے پودے مرنے لگے۔ تب باغ میں ایک بدوضعگی سی پیدا ہونے لگی۔ اور اس کا حُسن بھیانک ہو گیا۔ اور یوں محسوس ہونے لگا۔ جیسے کوئی خزاں رسیدہ بہار ہو۔

اس وقت ایسا ہوا کہ اس باغ میں پُر اسرار سرگوشیاں ہونے لگیں۔ اور گرے ہوئے پھول اور پھل اور کلیاں اور کونپلیں موٹے موٹے پھلوں اور پھولوں اور ہر شاخ کلیوں اور کونپلوں کے خلاف غم و غصّہ کا اظہار کرنے لگے۔ زمین سے نکلتے ہوئے ہر تنے نے جو قریب تھا کہ پھلوں کے بوجھ سے ٹوٹ جاتا اس آواز کو سُنا۔ اور جڑوں کے بالائی سروں تک بھی ان سرگوشیوں کی آواز پہنچی۔ اور وہ دردآمیز سرسراہٹ کے ساتھ ان کی ہاں میں ہاں

منانے لگیں۔ پھر وہ وقت آیا کہ یہ کانا پھوسیاں اور سرگوشیاں ایک خوفناک سازش میں تبدیل ہوگئیں۔ اور یہ طے پایا۔ کہ جڑیں کونپلوں اور کلیوں اور پھولوں اور پھلوں کو خوراک بھیجنی بند کردیں۔ اور تنے پھلوں کے بوجھ سے ٹوٹ جائیں۔ اور خود بھی زمین بوس ہوجائیں۔ اور درختوں کو بھی زمین بوس کردیں۔ پھر نئے سرے سے اس باغ کی تعمیر ہو اور نیا آئین اور نیا دستور زندگی گلشن کو عطا ہو۔

دوسری صبح جو میں نے جا کر دیکھا تو صحن گلشن میں ٹوٹے ہوئے تنے اور چاروں طرف بکھری ہوئی پتیاں اور روندے ہوئے پھول اور پھٹے ہوئے پھل دیکھے۔ جن میں گلنے سڑنے کا آغاز شروع ہوچکا تھا۔ تب جڑوں کے بالائی کناروں میں مسرت آمیز سرگوشیاں ہونے لگیں کہ جو کچھ ہم نے اوپر بھیجا تھا وہ سب واپس ہمارے پاس آئیگا اور ہم صحت مند اور موٹے اور تازے ہوجائیں گے۔ اور نازک کونپلیں اور پھول اور پھل جیسے بہاروں سے اٹھکیلیاں کیا کرتے تھے ہم بھی کیا کریں گے۔

یہ نظارہ ایک ہولناک نظارہ تھا جس آنکھ نے اسے دیکھا وہ روئی۔ اس باغ کے پرندے اور بلبلیں نوحہ کناں اس گلشن سے اُڑ گئے اور ان کی یاد وہ ٹوٹے ہوئے انڈے اور بکھرے ہوئے گھونسلے اور شاخوں تلے کچلے ہوئے نوزائیدہ بچے رہ گئے۔ اس باغ کے مالیوں کے لئے یہ صدمہ جانکاہ ثابت ہوا۔ اور وہ بھی یا اس غم سے چل بسے یا اسے چھوڑ کر دوسرے اوطان کو ہجرت کرگئے۔

اس وقت میں نے نئے پرندوں کے غول دیکھے جو دوسرے باغوں سے آئے تھے اور سیاہ فام کیڑوں کے لشکر بھی مجھے نظر آئے۔ جو پہلے اس باغ میں دکھائی نہ دیئے تھے۔ تب ان سب نے مل کر اس باغ کو لوٹا اور بہت کم بچا جو جڑوں کے بالائی سروں تک پہنچ سکا۔ لیکن افسوس کہ وہ بھی ان کے کام نہ آسکا۔ کیونکہ وہ اس خوراک کو بھول گئی تھیں۔ جو پتے ہوا میں سے کما کر تنوں کی راہ سے انہیں بھیجا کرتے تھے۔ تب وہ جڑیں بھی بیمار ہوکر گلنے سڑنے لگیں اور زمین دوز کیڑوں نے ان پر چاروں طرف سے بھرپور حملہ کردیا۔ اور ان کی موت کا جشن منانے لگے۔

اس باغ کے کنارے پر ایک تنہا ببول کا درخت کھڑا تھا۔ ایک راہگذر نے اس پر ایک تختی لٹکا دی اور کوئلہ سے یہ فقرہ اس پر لکھا کہ "

یہاں ایک باغ ہوا کرتا تھا جس کا نام "بورڈ ما" تھا اور شعور کے پانی سے اسکی پرورش ہوتی تھی"

دُوسرا باغ۔

تب اس اُجڑی ہوئی سرزمین پر دور پورب کے بسنے والے کچھ اور مالی آئے اور انہوں نے از سر نو گلشن کو ترتیب دینے کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا ہم جڑوں اور تنوں اور پھولوں اور پھلوں کے درمیان سب تفاوت

اڑا دیں گے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ ہم دن رات محنت کے ساتھ زمین کی چھاتی سے جو خوراک چوسیں اس کا بہترین حصہ پھولوں اور پھلوں کی نظر ہو جائے۔ اسی طرح پتوں سے بھی سخت بے انصافی ہے کہ وہ دن بھر محنت کر کے ہوا سے جو خوراک چوسیں وہ آگے پھولوں اور پھلوں کو بھیج دیں۔ پھر تنوں کی قسمت میں بھی موٹی جھوٹی خوراک کھا کر پھولوں پھلوں اور پتوں کا بوجھ اٹھانا ہو۔ اور ہمیشہ ان کی خدمت پر مامور رہنا ان کا مقصود حیات بنا رہے۔ یقیناً یہ تقسیم ناجائز اور انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ ان مالیوں نے سوچا اور پھر ایک ایسے جدید منصفانہ باغ کی بنیاد رکھی جس میں یہ دستور رائج کیا گیا کہ جڑیں اور پتے جو خوراک حاصل کریں وہ برابر تقسیم کی جائے اور پھولوں اور پھلوں کے زائد راشن بند کر دیئے جائیں۔

چنانچہ اس نئے دستور کے مطابق وہ باغ سینچا گیا اور نئے اہالیانِ چمن وجود میں آئے۔ جڑیں اپنی خوراک روک لینے کی وجہ سے اتنی موٹی اور مضبوط ہو گئیں۔ کہ چاروں طرف انہوں نے اپنا جال پھیلا لیا۔ اور زمین کی خوراک کے لئے ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کرنے لگیں۔ پتے بھی موٹے، توانا اور چوڑے ہو گئے اور تنوں اور شاخوں کو گھنے بالوں کی طرح گھیر لیا۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کے سائے تلے مرنے لگے۔ پھول کمزور اور زرد ہو گئے اور پھل بہت کم اور چھوٹے اور نحیف۔ تب ایک نئی جد و جہد کا آغاز ہوا۔ اور نیچے دبے ہوئے پتوں نے کھلی فضا اور دھوپ میں آنے کے لئے بالائی پتوں کے خلاف بغاوت کر دی اور یہ بھی اعلان کیا کہ پھولوں اور پھلوں کو آئندہ سے کوئی خوراک نہیں دی جائے گی۔ جڑوں میں بھی ایک باغیانہ سرسراہٹ پیدا ہوئی۔ اور نچلی سطح کی جڑوں نے بالائی سطح کی جڑوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا اور خود اوپر آنے کا مطالبہ کیا۔ کیونکہ اوپر کی خوراک نیچے کی خوراک سے بہتر تھی۔

بالائی سطح کی جڑوں نے شکوہ کیا۔ کہ ہم سے بھی اوپر دھوپ اور کھلی فضا میں بسنے والے تنے اور پتے اور پھول اور پھل موجود ہیں۔ لازم ہے کہ یہ اب زمین کے نیچے دفن ہوں اور ہم بالائی فضا کی نسبت آرام دہ زندگی بسر کریں۔ نیز پھولوں اور پھلوں کی خوراک کلیتہً بند کرنے کے بارے میں بھی منصوبے بنائے گئے اور یہ موقف اختیار کیا گیا کہ پھول اور پھل دوسروں کی محنت پر پلنے والے پیراسائیٹس ہیں جو خود اپنی روزی کمانے کے اہل نہیں اور جسمانی محنت اور مشقت کی زندگی سے ناآشنا ہیں۔ چنانچہ سب پھول اور پھل اپنی تکمیل سے پہلے جھڑ گئے۔ اور نچلی سطح کی جڑیں بالائی سطح پر آگئیں اور بالائی سطح کی جڑیں شاخوں کی طرح زمین سے باہر نکلنے لگیں اور زمین سے درختوں کا پیوند بہت کمزور پڑ گیا۔ تب تیز ہواؤں نے ان باغیوں کی مدد کی اور درختوں کو جڑوں سے اکھیڑ کر اوندھا کر دیا۔ شاخیں زیرِ زمین دبنے لگیں اور جڑوں نے کھلی فضا اور دھوپ کا لطف اٹھایا۔ لیکن افسوس کہ یہ نیا نظام نپپ نہ سکا۔ اور وہ باغ خشک سوکھی اور بکھری ہوئی پراگندہ لکڑیوں کا ایک ذخیرہ بن گیا۔

تب ایک روز آسمان کی بجلیوں کا وہاں سے گذر ہوا۔ اور انہوں نے کہا۔ آؤ اس چمن نو کی سوکھی ہوئی لکڑیوں کو جلا ڈالیں کیونکہ یہ نام و ناموس چمن پر ایک دھبہ ہیں۔ پس وہ گریں اور اس چمن نو کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

تب ایک راہگذر نے بکھری ہوئی راکھ کی سفید تختی پر کوئلے سے یہ کتبہ لکھا کہ:۔

" یہ ایک پر دستاری باغ تھا جس کی آبیاری قوانین قدرت کے خون سے ہوتی تھی۔ اور جہاں ایک ایسا دستور انصاف رائج کیا گیا جو عظیم نظام تخلیق میں کہیں نہیں ملتا "

یہ دونوں باغ میری تصور کی آنکھ کے سامنے سے گذرے۔ اور دل درد سے بھر گیا۔ اور ایک ہوک سینے سے اٹھی کہ اے تخلیق خداوندی کے شاہکار میرے آقا! ـــــ جس کا نام محمدؐ اور جس کا کام محمدؐ تھا ــــ کب تیرے غلاموں کو یہ توفیق عطا ہو گی کہ دستور فطرت کے مطابق متوازن اور متناسب اور سبز سبز و شاداب وہ باغ دنیا کو عطا کریں گے جس کے اشجار طیبہ کی جڑیں پاتال تک پہنچیں گی۔ اور شاخیں آسمان سے باتیں کریں گی۔ وہ ہر موسم میں پھل دے گا۔ اور مشرق اور مغرب برابر اس سے فیض پائیں گے:

مرزا طاہر احمد
صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں:۔

" دینی علوم کی تحصیل کے لئے طفولیّت کا زمانہ بہت ہی مناسب اور موزوں ہے۔ جب ڈاڑھی نکل آئی تب ضَرَبَ یَضْرِبُ یاد کرنے بیٹھے تو کیا خاک ہوگا۔ طفولیّت کا حافظہ تیز ہوتا ہے۔ انسانی عمر کے کسی دوسرے حصہ میں ایسا حافظہ کبھی بھی نہیں ہوتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ طفولیّت کی بعض باتیں تو اب تک یاد ہیں لیکن پندرہ برس پہلے کی اکثر باتیں یاد نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ پہلی عمر میں علم کے نقوش ایسے طور پر اپنی جگہ کر لیتے ہیں۔ اور قوٰی کے نشو و نما کی عمر ہونے کے باعث ایسے دلنشین ہو جاتے ہیں۔ کہ پہلے ضائع نہیں ہو سکتے۔ ۔ ۔ ۔ مختصر یہ کہ تعلیمی طریق میں اس امر کا لحاظ اور خاص توجہ چاہیئے کہ دینی تعلیم ابتدا سے ہی ہو۔ اور میری ابتدا سے یہی خواہش رہی ہے اور اب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرے :

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ)

قَالَ اللّٰہُ

معارف القرآن

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (سورۃ آلِ عمران آیت ۱۹۲)

ترجمہ:۔ (وہ عقلمند) جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ) اے ہمارے رب! تونے اس (عالم) کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ تو (بے مقصد کام کرنے سے) پاک ہے۔ پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

تفسیر:۔ حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:۔ مومن ہیئت دانوں کی طرح صرف اس پر قناعت نہیں کرتے کہ زمین کی شکل یہ ہے اور اس کا قطر اس قدر ہے۔ بلکہ وہ صنعت کی کمالیت شناخت کرنے کے بعد اور اسکے کمال کھلنے کے پیچھے صانع کی طرف رجوع کرتے ہیں (اور) انہیں اس نظام پر نظر ڈالنے سے خدا تعالےٰ کے وجود پر دلیل ملتی ہے۔ پس وہ زیادہ انکشاف کیلئے خدا سے مدد چاہتے اور اس کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور کروٹ پر لیٹ کر یاد کرتے ہیں جس سے ان کی عقلیں بہت صاف ہو جاتی ہیں۔۔۔(اور وہ) بے اختیار بول اٹھتے ہیں کہ ایسا نظام ابلغ اور محکم ہرگز باطل اور بے سود نہیں۔ بلکہ جب ہر چیز یہانتک کہ اجرام فلکی بھی انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں تو ضروری ہے کہ اس کی پیدائش کا کوئی بلند مقصد ہو۔

یہاں اُولی الالباب کی دو صفات بیان کی ہیں۔ اول یہ کہ وہ ہر حالت میں خدا تعالےٰ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ یعنی دست باکار و دل بایار کے مصداق ہوتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن اور رات کے اختلاف یعنی زمانہ کے تغیرات میں سوچ کرتے رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں۔ کہ خدایا تونے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا جس میں کوئی فائدہ نہ ہو یا ہو پر یہی دنیوی فائدہ ہو جو کالعدم ہے جیسا کہ حضرت لبیدؓ کے ایک شعر اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ سے جسے ایک موقعہ پر آنحضرتؐ نے خود پڑھا اور اَصْدَقُ کَلِمَۃٍ قَالَھَا لَبِیْدٌ قرار دیا ظاہر ہے سُبْحٰنَکَ تو ہر نقص سے پاک ہے (اور کسی چیز کا بے مقصد پیدا کرنا یا پیدا کر کے پھر اس پر حکومت نہ کر سکنا تو کھلے کھلے نقص ہیں اور تیری پاک ذات کے متعلق کسی شخص کا خیال کرنا اپنے تئیں تجھ سے دور ڈالنا اور آگ میں پڑنا ہے) وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچائیو۔ چونکہ ذکر کے معنے عبادت کے بھی ہیں۔ اسلئے یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ سے بعض مفسرین نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ کر پڑھتے ہیں بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹے لیٹے پڑھ لیتے ہیں۔ غافل کسی حالت میں نہیں ہوتے ؎

قَالَ الرَّسُولُ

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا۔

(بخاری کتاب البیوع باب اذا لم یوقت الخیار ھل یجوز البیع صـ ۲۸۳/۱)

ترجمہ:۔ حضرت حکیم بن حزامؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرید و فروخت کرنے والوں کو جب تک وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ انہیں اختیار رہے کہ وہ سودا فسخ کر دیں۔ اور اگر خرید و فروخت کرنے والے سچ بولیں اور اس کے عیوب بیان کر دیں۔ تو اللہ تعالےٰ ان کے اس سودا سلف میں برکت دے گا۔ اور اگر وہ دونوں جھوٹ سے کام لیکر کسی عیب کو چھپائیں گے یا ہیرا پھیری سے کام لیں گے تو اللہ اس سے برکت ختم کر دے گا۔

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب

"حضرت المصلح الموعودؓ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر کی حیثیت میں"

بعض نوجوان مورخ اور مضمون نگار تحریک آزادی کشمیر کو ۱۹۳۱ء سے شروع کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک برسوں پہلے شروع ہو چکی تھی۔ البتہ یہ درست ہے کہ ۱۹۳۱ء کے اوائل میں جب تحریک کو پورے زور سے چلانے کے لئے زمین بالکل تیار ہو گئی تو ڈوگرہ حکومت نے جو اس چیز سے غافل نہ تھی ایجی ٹیشن کو بزور ختم کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں ساری ریاست جموں و کشمیر میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور جنگ کا باقاعدہ بگل بج گیا۔ ساری قوم میں بیداری کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

بہرحال مورخ اپنی تاریخ کو ۱۹۳۱ء سے شروع کرے یا اس کی کڑیاں پہلی مساعی کے ساتھ ملا دے ہر حالت میں وہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے نام کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ جدوجہد آزادی کشمیر کی کوئی تاریخ آپ کی شاندار اور بے لوث خدمات کا ذکر کئے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اور میں بلا خوف تردید یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ حضرت ممدوح کا مقام اس تاریخ میں بدر منیر کی طرح درخشاں اور روشن ہے۔ اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ سینکڑوں دلائل اور آپ کے کارنامے نمایاں موجود ہیں۔

میں ذکر کر چکا ہوں کہ ۱۹۳۱ء سے بہت پہلے بعض دردمند دل مقہور و مجبور کشمیریوں کی پسماندگی اور بےچارگی کو دور کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ اور ان کی انفرادی امداد جاری تھی۔ بعض اخبارات اس میں بہت سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے۔ لیکن ان تمام کوششوں کو یکجا اور منظم کرنے کی ضرورت تھی۔ ۱۹۳۱ء کے شروع میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد رضی اللہ عنہ نے پے در پے مضمون لکھے۔ ان کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اور مختلف مقامات پر "یوم کشمیر" منانے کی تحریک ہوئی۔ پشاور والوں نے ۱۰ر جولائی۔ کانپور والوں نے ۲۴ر جولائی اس غرض سے مقرر کر دی۔ اس وقت حضرت ممدوح نے ایک زوردار اپیل سارے ہندوستان میں شائع کی جس میں یہ واضح کیا کہ اس قسم کے اختلاف کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ایسی کوئی تحریک بھی کامیاب نہ ہو سکیگی اور مظاہروں سے جو حقیقی فائدہ مقصود ہوتا ہے محرکین اس سے محروم رہ جائیں گے اور آپس میں شقاق بھی پیدا ہوگا۔ پھر اس دقت کا حل یہ تجویز کیا۔ کہ وہ تمام اشخاص جو یا تو نسلاً کشمیری ہیں۔ یا مسئلہ کشمیر سے ہمدردی رکھتے ہیں۔

وہ یہ کام کرنے کے لئے ایک نظام تجویز کریں۔

کیونکہ کوئی لوکل کمیٹی خواہ کتنے ہی با اثر آدمیوں پر مشتمل کیوں نہ ہو اس کام کو نہیں کر سکتی جب تک مسلمانوں کی ایک آل انڈیا کانفرنس یا کمیٹی اس مسئلہ پر غور کر کے ایک متفقہ پروگرام تجویز نہ کر لے۔ لہٰذا اس غرض کو پورا کرنے کے لئے ہندوستان بھر کے چوٹی کے لیڈروں کی ایک کانفرنس کسی ایسے مقام پر جہاں جموں و کشمیر کے مسلمانوں کے نمائندے بھی آسکیں منعقد ہونی چاہیئے۔ جس میں ان تمام مشکلات پر غور کر کے جو ہمارے راستے میں حائل ہیں۔ ایسا پروگرام تیار کیا جائے۔ جس پر عمل کر کے کوئی نئی پیچیدگی پیدا ہوئے بغیر مسلمانانِ کشمیر کی آزادی کے مسئلہ کو حل کیا جائے۔

اس اپیل کے آخر میں آپ نے تحریر فرمایا:۔

میں امید کرتا ہوں کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب۔ شیخ دین محمد صاحب۔ سید محسن شاہ صاحب اور اسی طرح دوسرے ابناءِ کشمیر جو اپنے وطن کی محبت میں کسی دوسرے سے کم نہیں۔ اس موقع کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے موجودہ طوائف الملوکی کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ ورنہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سب طاقت ضائع ہو جائیگی اور نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلے گا۔

اس اپیل کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ اور باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ شملہ کے مقام پر ۲۵ رجولائی ۱۹۳۱ء کو ایک کانفرنس بلائی جائے۔ کشمیر اور صوبہ سرحد کے نمائندگان کو بھی اس میں شمولیت کی دعوت دی جائے وہاں سب لیڈر سر جوڑ کر بیٹھیں اور یہ طے کریں۔ کہ آئندہ کیا لائحہ عمل ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت ممدوح ۱۹۳۱ء سے ۲۰ سال پہلے سے مسلسل کشمیریوں کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے کوشاں تھے۔ اور اب ان کی مساعی جمیلہ کا ریاست کے اندر اور بیرون ریاست جگہ جگہ چرچا ہونے لگا تھا۔ آپ کی تحریک پر جمع ہو کر زعماء ہند نے شملہ کے مقام پر ایک کانفرنس میں آئندہ طریق کار کے متعلق فیصلے کرنا تھے۔ اس کانفرنس میں شمولیت کے لئے جموں و کشمیر اور صوبہ سرحد کے نمائندے کانفرنس سے پہلے ہی حضرت کے پاس پہنچ گئے۔ تاکہ آپ کو تازہ ترین حالات سے باخبر کر سکیں

چنانچہ آپ ان نمائندگان و خدام سمیت شملہ روانہ ہو گئے۔ خاکسار بھی اس خوش بخت قافلہ میں شامل تھا۔ یہ قافلہ ۲۲ رجولائی ۱۹۳۱ء کو حکومت ہند کے گرمائی دارالحکومت میں وارد ہوا۔ اور نواب سر ذوالفقار علی کی کوٹھی موسومہ "فیرویو" میں فروکش ہوا۔ بیشتر زعماء پہنچ چکے تھے۔ انہیں پہلی فرصت میں کانفرنس کے وقت اور جائے انعقاد سے مطلع کیا گیا۔ اور ۲۵ رجولائی ۱۹۳۱ء کو نمازِ ظہر کے بعد "فیرویو" میں اجلاس شروع ہوا۔ جس میں حضرت امام جماعت احمدیہ۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال۔ نواب سر ذوالفقار علی خان۔ خواجہ حسن نظامی، نواب صاحب

گنجپورہ۔ سید محسن شاہ۔ خان بہادر شیخ رحیم بخش اور دیگر مقتدر لیڈروں نے شرکت کی۔ کئی گھنٹے اجلاس جاری رہا۔ اور نہایت اہم فیصلے ہوئے۔ اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی معرض وجود میں آئی۔ اجلاس میں ایک انتہائی نازک اور اہم مرحلہ آیا۔ اگر اس وقت کوئی غلط قدم اٹھتا تو ساری جدوجہد ختم ہو جاتی۔ یہ مرحلہ اس کمیٹی کے مدار المہام کے انتخاب کا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ امام جماعت احمدیہ کے دائیں ہاتھ ایک ہی صوفہ پر سر اقبال تھے اور بائیں ہاتھ دوسرے صوفہ پر خواجہ حسن نظامی اور نواب صاحب گنجپورہ تھے اور سر اقبال کے دائیں سر ذوالفقار علی تھے۔ اور پھر بقیہ تمام لیڈر دائیں بائیں اور سامنے تھے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے تجویز کیا کہ اس کمیٹی کے صدر امام جماعت احمدیہ ہوں۔ ان کے وسائل۔ مخلص اور کام کرنے والے کارکن۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ان سے بہتر ہمارے پاس کوئی لیڈر نہیں۔ خواجہ حسن نظامی نے فوراً اس کی تائید کی۔ اور سب طرف سے درست ہے کی آوازیں آئیں۔

حضور نے اس کی مخالفت کی لیکن ساتھ ہی یہ یقین دلایا کہ جو بھی صدر مقرر ہوگا۔ حضور خود اور حضور کی جماعت ہر رنگ میں اس کے ساتھ تعاون کرے گی۔ اس پر سر اقبال نے پنجابی میں کہا کہ حضرت صاحب جب تک آپ اس کام کو اپنے ہاتھ میں صدر کی حیثیت سے نہ لیں گے یہ کام نہ ہوگا۔ سب کے زور دینے پر بادلِ ناخواستہ حضور نے یہ عہدہ قبول کیا۔

بہت جلد ہر طبقہ کے زعماء نے اس کمیٹی میں شریک ہو کر یہ ثابت کر دیا کہ صحیح رنگ میں یہی آل انڈیا کمیٹی ہے۔ چنانچہ مختلف صوبوں کی لیجسلیٹو کونسلوں اور مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ کے منتخب مسلمان ممبروں کے علاوہ دیوبند کے مشہور فاضل مولانا میرک شاہ اہلحدیث کے لیڈر مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا اسمٰعیل غزنوی سجادہ نشینوں میں سے خواجہ حسن نظامی اور مولانا ابوالحمید رنگالی سیاست دانوں میں سے مولانا حسرت موہانی۔ مولانا شفیع داؤدی اور سر شفاعت احمد کانگریسیوں میں سے ملک برکت علی۔ اور مشیر حسین قدوائی۔ تعلیم جدید کے ماہرین میں سے سر ضیاء الدین فلسفیوں اور شاعروں میں سے ڈاکٹر سر محمد اقبال کشمیر کے دیرینہ خادموں میں سے سید محسن شاہ اور اخبارات کے ایڈیٹروں میں سے مولانا سید حبیب مولانا مہر۔ مولانا سالک۔ مولانا مظہر الدین۔ مولانا یعقوب خاں۔ اور مولانا نور الحق سب اس کمیٹی کے ممبر بن گئے۔

غرض حضرت ممدوح کو ہندوستان کے تمام مسلّمہ مسلم لیڈروں نے اپنا قائد مان کر یہ ثابت کر دیا کہ تحریک آزادیٔ کشمیر کی تاریخ میں جو مقام حضور کو حاصل ہے وہ بدر منیر کی طرح روشن ہے۔ اور کوئی تاریخ حضور کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی حیثیت میں کشمیریوں کو کیا دیا۔ اس کے جواب میں ایک لمبی فہرست بنتی ہے۔ اس فہرست کی ایک معمولی جز یہ ہے کہ آپ نے کشمیریوں کو شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ جیسا لیڈر دیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضور یہ فیصلہ فرمانا چاہتے تھے کہ کشمیریوں میں سے ایک ایسے شخص کو جس میں ہر قسم کی صلاحیتیں موجود ہوں ان کا لیڈر مقرر کر دیا جائے تاکہ وہ ریاست کے اندر ایجی ٹیشن کی راہنمائی کر سکے اس کا حال حضور کے اپنے الفاظ میں یوں بیان ہوا ہے:۔

"جب آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم ہو گئی اور میں نے یہ فیصلہ کیا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو آزادانہ طور پر باہر کام نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ کشمیر اور جموں کے لوگوں سے مل کر کام کرنا چاہیئے تو میں نے کشمیر اور جموں کے نمائندے قادیان بلوائے اور ان سے مشورہ لیا۔ کوئی پندرہ سولہ آدمی آئے میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا کوئی اور ایسا آدمی رہ تو نہیں گیا جس کا کشمیر میں اثر ہو۔ انہوں نے کہا کہ شیخ محمد عبداللہ ایک نوجوان ہیں جن کا نوجوان لڑکوں پر اچھا خاصا اثر ہے اور وہ بول بھی سکتے ہیں نڈر بھی ہیں میں نے پوچھا آپ لوگ ان کو کیوں ساتھ نہیں لائے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ان کے متعلق ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ حکومت نے مخفی آرڈر کئے ہوئے ہیں کہ اگر یہ ریاست سے باہر نکلیں تو پھر ان کو واپس نہ آنے دیا جائے۔ مجھے جو شیخ عبداللہ کے حالات معلوم ہوئے ان سے میں نے سمجھا کہ یہ آدمی کام کا ہے پس کشمیر کی لیڈری کے متعلق میں نے اس وقت تک کوئی فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ جب تک میں شیخ عبداللہ سے نہ مل لوں۔ چنانچہ میں نے مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے سیکرٹری تھے اسی غرض کے لئے کشمیر بھجوایا کہ وہ کشمیر کے حالات بھی دریافت کریں اور دوسرے اس بات کا انتظام کریں کہ شیخ عبداللہ کشمیر کی کسی سرحد پر مجھ سے مل لیں"

اس جگہ خاکسار یہ عرض کرتا ہے کہ مولانا درد صاحب کے اس سفر کشمیر میں حضور کے ارشاد کے ماتحت خاکسار بھی ان کے ساتھ تھا۔ چنانچہ گڑھی حبیب اللہ جو ریاست کی سرحد پر انگریزی علاقہ میں تھی۔ حضور سے شیخ عبداللہ صاحب کی ملاقات کا انتظام ہوا۔ درد صاحب مرحوم شیخ عبداللہ کو خفیہ طور پر وہاں لے گئے اور حضور سے تفصیلی ملاقات ہوئی۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"میری اور شیخ عبداللہ صاحب کی پہلی ملاقات تھی۔ شیخ عبداللہ سے میں نے بڑی لمبی گفتگو کی۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس شخص سے لیڈری کا کام لیا جا سکتا ہے لمبی گفتگو کے بعد میں نے کہا کہ شیخ محمد عبداللہ میں آپ کو کشمیر کی تحریک آزادی کا لیڈر مقرر کرنا چاہتا ہوں"۔

جب شیخ صاحب نے حضور سے عرض کی۔ کہ وہ لیڈری کے قابل نہیں اور انہیں کچھ آتا ہی نہیں تو حضور نے انہیں یہ ارشاد فرما کر اس کام کے لئے تیار کر لیا۔ فرمایا۔

"جب تک جموں و کشمیر سے ایسی آواز نہ اٹھتی رہے کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اس کے صدر اس کے نمائندہ ہیں۔ اور وکیل ہیں اس وقت تک ہماری کوشش پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ شیخ محمد عبداللہ تم یہ بتاؤ کہ کیا یہ آواز تم کشمیر سے زور کے ساتھ اٹھوا سکتے ہو یا نہیں۔ شیخ عبداللہ نے جواب دیا۔ یہ آواز تو نہایت شاندار طور پر اٹھا سکتا ہوں۔ اس پر میں نے کہا بس آپ اس کام کے اہل ہیں۔ اور خدا کا نام لے کر اس کو شروع کر دیں۔ میں نے ان کو اخراجات کے متعلق ہدایتیں دیں۔ کہ اس طرح دفتر بنانا چاہیئے اور وعدہ کیا کہ دفتر کے اخراجات اور دوسری ضرورتیں جو پیدا ہوں گی۔ ان کے اخراجات میں مہیا کرتا رہوں گا"۔

بس یہ ہے شیخ محمد عبداللہ کی لیڈری کی تاریخ اور ان کو شیر کشمیر کا لقب کشمیر کمیٹی نے ہی دیا۔ چنانچہ جماعت احمدیہ کے شدید مخالف مولانا ظفر علی خاں نے اپنی ایک نظم میں بھی اس بات کا اظہار کیا۔ کہ الفضل کے مقالوں نے شیخ عبداللہ کو شیر کشمیر بنایا ہے۔

(نوٹ:۔ یہ مضمون مجلس تاریخ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے اجلاس میں پڑھا گیا تھا)

"جان و مال و آبرو حاضر ہیں تیری راہ میں"

(اللہ یار دیوانہ)

جانے کیا مستی بھری تھی وردِ الا اللہ میں
فرق سارا مٹ گیا جو تھا فقیر و شاہ میں

ذرۂ خاکی بھی بن جائے دلیلِ آفتاب
اپنی ہستی کو مٹا کر ان کی خاکِ راہ میں

چاہ میں ان کی پڑے ہم آتشِ نمرود میں
کیا ہوا یوسف اگر کچھ دیر ٹھہرے چاہ میں

فرش سے بھی وہ عیاں ہے عرش سے اس کا ظہور
حسن اس کا جلوہ زن انجم میں مہر و ماہ میں

کیوں ہوا جاتا ہے غافل بے نظیر آقا سے تُو
حُسن پانی بھر رہا ہے جس کی جلوہ گاہ میں

تیرے ویرانے میں بھی برسے گا پھر ابرِ بہار
کچھ اثر پیدا تو کر نادان اپنی آہ میں

تیرا دیوانہ ہوں تیرے ذکر سے زندہ ہوں میں
جان و مال و آبرو حاضر ہیں تیری راہ میں

مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب
سابق امام مسجد ہالینڈ

ہالینڈ میں اسلام

واقعات اور شواہد کی روشنی میں

آج اگر ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ یورپ کا مستقبل اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ تو بظاہر ایک قسم کا تعجب ضرور پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یورپ آج دنیوی تہذیب اور دنیوی علوم کا گہوارہ ہے اور مادی سامانوں میں وہ اس قدر ترقی کر چکا ہے۔ کہ باقی کل دنیا اس کی دست نگر اور محتاج ہے۔ اور ان مغربی اقوام کے اقتدار کا سکہ مانتی ہے ــــ دوسری طرف وہ لوگ جو اسلام کا دم بھرتے ہیں۔ یورپ کی نسبت آج بہت پسماندہ حالت میں ہیں اور اپنی مادی ترقیات کے لئے قدم قدم پر یورپ کا سہارا تلاش کرتے ہیں۔ اور اس کمتری کا احساس مسلمان ممالک میں اس حد تک غالب ہے کہ ان کی روزمرہ کی زندگی۔ اور ان کی طرز معاشرت دن بدن مغرب ہی کا رنگ اختیار کرتی چلی جاتی ہے ــــ ایسے حالات میں یہ خیال کرنا کہ ایسا یورپ ایک دن ان پسماندہ قوم کے مذہب کو اپنا لیگا۔ اور اپنی آزادانہ روش ترک کر کے اسلامی تعلیم۔ اسلامی طرز زندگی اور اسلامی اصولوں کو اپنا مقصود اور نجات کا ذریعہ قرار دے لیگا ایک تعجب خیز امر ضرور ہے ــــ پس آیئے ان حالات کی موجودگی میں ہم اپنے ایک مشن کے حالات کا سرسری سا جائزہ لیں کہ واقعات اور شواہد کی روشنی میں یہ حالات ہمیں مستقبل کے لئے کیا امید دلاتے ہیں

ہالینڈ میں اسلامی مشن کی ابتداء

جماعت احمدیہ کی عالمگیر تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں ہالینڈ میں باقاعدہ طور پر اسلامی مشن کا قیام سنہ ۴۷ء میں عمل میں آیا۔ اور ہیگ شہر کو اس کا مرکز تجویز کیا گیا تبلیغی لحاظ سے اس ملک کی اہمیت کچھ اس وجہ سے بھی نمایاں ہے۔ کہ اس ملک کا تعلق عرصہ تین سو سال سے انڈونیشیا کے دس کروڑ افراد کے ساتھ رہا ہے۔ جس کی بھاری اکثریت مسلمان ہے۔ اور پھر ہالینڈ کا تعلق جنوبی امریکہ کے بعض نوآبادیات سے بھی ہے۔ جہاں کافی تعداد میں مسلمان آباد ہیں۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہالینڈ کی لائیڈن (Leiden) یونیورسٹی مشرقی علوم کے ساتھ خاص طور پر تعلق رکھنے کی وجہ سے علمی دنیا میں ایک نمایاں مقام کی حامل ہے اور بڑے احترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہے

اس ملک میں جب پہلی بار اسلامی مشن کے قیام کی خبر پریس میں شائع ہوئی - تو یہاں کے لوگوں نے اس خبر کو دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ مگر اس دلچسپی میں تعجب اور تعصب کے ملے جلے جذبات تھے۔ چنانچہ ہیگ کا ایک لیڈنگ ہفت روزہ Haagsche Post اس خبر پر ایک جلی عنوان "ایشیاء کی بیداری" دے کر لکھتا ہے۔ کہ

"یورپ کے لئے ایشیاء کی یہ بیداری بالکل غیر متوقع ہے۔ آج مروجہ پہلے طریق کے بالکل الٹ مشرق سے اسلام کے مبلغ مغرب کو بھیجے جا رہے ہیں اور جماعت احمدیہ اس کوشش میں پیش پیش ہے۔"

جہانتک کیتھولک پبلک کا تعلق ہے اس نے اس اسلامی مشن کا استقبال کچھ اور بھی الٹیماٹم کے ساتھ کیا۔ چنانچہ وہاں کا ایک کیتھولک ہفت روزہ Tijd en Nieuws (?) اپنی ایک اشاعت (جولائی ۱۹۵۵ء) میں یہ عنوان باندھتا ہے۔

"کیا ہالینڈ کے آسمان پر ہلال اسلامی کا طلوع گوارا کیا جا سکتا ہے؟"

اور پھر لکھتا ہے۔ کہ

"ہمیں ذاتی طور پر ان مبلغ اسلام صاحب سے تعرض کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ مگر ہم ان کو یہ ضرور بتا دینا چاہتے ہیں کہ انہیں اپنے تبلیغی ارادوں کے ضمن میں ڈچ لوگوں سے کوئی خاص امید نہیں وابستہ کرنی چاہیئے۔ اور اگر وہ کوئی ایسی امید لے کر آئے ہیں۔ تو ہمیں ڈر ہے کہ انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ وہ اپنا بستر بوریا ابھی سے باندھ لیں۔ اور واپسی کی ٹھان لیں"

کیتھولک اخبار کے یہ خیالات جب بھی سامنے آتے ہیں تو رہ رہ کر یہ خیال دل میں اٹھتا ہے کہ کاش یہ لوگ محسوس کر سکتے کہ تبلیغ اسلام کا یہ عظیم پروگرام کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں بلکہ اس کے پیچھے الٰہی مشیّت کارفرما ہے اور تقدیر کے نوشتے ٹلتے نہیں بلکہ ہمیشہ پورے ہو کر رہتے ہیں۔

چنانچہ مشن کو قائم ہوئے ابھی تین ہی سال کا عرصہ گذرا تھا۔ کہ مشن کا وجود جو پہلے ایک خبر کی حد تک ہی تھا۔ اب ایک حقیقت بن کر سامنے آنے لگا۔ اور پریس کے رویہ میں ایک نمایاں تبدیلی ظاہر ہونے لگی۔ چنانچہ ہالینڈ کا ایک مؤقر روزنامہ De Amsterdamse Courant اپنی ایک اشاعت میں ۴ کالم کی موٹی سرخی دے کر لکھتا ہے

"آشتی اور تحمل جماعت احمدیہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ جماعت احمدیہ جہاد کے غلط تصور کی اصلاح کرتی ہے۔ اس کے مشن نہ صرف انڈیا اور ایشیاء میں۔ بلکہ افریقہ یورپ اور امریکہ میں بھی ہیں۔ اس جماعت سے وابستہ ہونیوالے زیادہ تر پڑھے لکھے مسلمان ہیں جو اس کے لئے مالی قربانی بھی کرتے ہیں۔"

پس یہ محض اللہ تعالیٰ کا ہی احسان تھا۔ کہ تین
چار سال کے قلیل عرصہ میں لوگوں کے خیالات میں ایک
نمایاں تبدیلی نظر آنے لگی۔ اور اس امر کی ضرورت شدت
کے ساتھ محسوس ہوئی کہ اس ملک میں خانۂ خدا کی تعمیر
عمل میں لائی جائے۔ جہاں شمع محمدی کے پروانے اس نور
کے گرد جمع ہوں۔ جس کو اس زمانہ کے مسیح نے پھر سے
ایک زندگی اور جلا بخشی تھی۔ چنانچہ اس غرض کے لئے
۱۹۵۰ء میں ہیگ شہر کے ایک خوبصورت حصہ میں زمین
خریدی گئی۔ جو براعظم یورپ میں (برٹش جزائر کے بعد)
جماعت احمدیہ کی پہلی مسجد کی ابتدا تھی۔ چنانچہ یہ مسجد
۱۹۵۵ء میں بن کر تیار ہوگئی۔ ان حالات کے پیش نظر
کہ جن سے ہماری جماعت ان دنوں دوچار تھی ایک شاندار
مسجد کی تعمیر کوئی ایسا آسان مرحلہ نہ تھا۔ مگر ہمارے
اولوالعزم امام کی قیادت میں جماعت احمدیہ کی مستورات
نے قربانی کا جو مظاہرہ کیا وہ رہتی دنیا تک ایک یادگار
کے طور پر رہے گا۔ جنگ عظیم کے بعد یورپ میں بننے
والی اس مسجد سے یورپ میں تبلیغ اسلام کے ایک نئے
باب کا اضافہ ہوا۔ جو خود اہالیانِ یورپ کے لئے ایک
معجزہ سے کم نہ تھا۔ چنانچہ ہیگ کا ایک لیڈنگ
روزنامہ Nieuwe Haagse courant
نے مسجد ہیگ میں نماز کی حالت کا ایک بڑا سا فوٹو
دیتے ہوئے لکھا کہ

"یہ فوٹو کراچی۔ قاہرہ۔ یا بغداد کی نہیں۔ بلکہ
یہ مسجد خود ہیگ میں ہے جس میں لوگ نماز ادا کر رہے ہیں"

اور پھر اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے اخبار
مذکور لکھتا ہے۔ کہ

"مسلمان دو دفعہ اس سے پہلے بھی یورپ میں
آئے۔ ایک دفعہ آٹھویں صدی میں اور دوسری دفعہ
پندرھویں صدی میں۔ مگر دونوں دفعہ ان کا آنا سیاسی
نوعیت کا تھا۔ مگر اس دفعہ ہمارے زمانہ میں ان کی آمد
یورپ میں عقبی دروازہ سے ہوئی ہے۔ اور اس طرح
سے انہیں کسی لشکر یا فوج کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ بلکہ
اس کے برعکس انہیں وہ خالی دل ملے ہیں۔ جن سے
عیسائیت عرصہ ہوا نکل چکی ہے"

۱۹۵۰ء میں جب مسجد کے لئے زمین خریدنے
کا معاملہ زیر غور تھا۔ تو اس وقت بھی بعض حالات
ایسے رنگ میں ظاہر ہوئے جو ہمارے لئے ازدیادِ ایمان
کا موجب ہیں۔ ہیگ میں مسجد کے لئے مناسب جگہ کی
تلاش کے لئے کافی تگ و دو کرنی پڑی تھی۔ آخر
حسنِ اتفاق ایسا ہوا کہ ہماری توقعات سے بڑھ کر
ایک نہایت عمدہ جگہ اس غرض کے لئے ہمیں مل گئی۔
یہ جگہ ایک چرچ اور ایک اہم کیتھولک انسٹی ٹیوٹ
کے نہ صرف قریب تھی۔ بلکہ ان کے راستہ پر پڑتی تھی
جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مذہبی حلقوں کی طرف سے
اس کی مخالفت ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مگر ہیگ کی
میونسپل کمیٹی کا جو ذمہ دار شخص تھا۔ اس نے اس
تمام مخالفت کا ایسا ذمہ دارانہ مقابلہ کیا۔ کہ آج بھی
اس کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔ لطف کی بات یہ
ہے کہ ہمیں ان مشکلات کا علم اس وقت ہوا۔ جب فیصلہ

ہو کر پریس کے ذریعہ یہ خبر منصۂ شہود پر آگئی۔ کہ کمیٹی کے ایک ہنگامی اجلاس میں یہ امر بالآخر طے پاگیا ہے کہ مجوزہ جگہ پر مسجد تعمیر کر لی جائے۔ کمیٹی کے اس تاریخی اجلاس میں کھینچو تان اور مخالفت کے باوجود ڈاکٹر Bakke Schutt جو کہ کمیٹی کے چیف ٹاؤن پلینر تھے۔ ان کی پارٹی کو فتح حاصل ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

یہ امر محتاج بیان نہیں۔ کہ عیسائی مشنوں کے مقابل پر ہمارے تبلیغی پروگراموں کی وسعت ہمارے مشن ہاؤسس اور ہماری رہائش کی جگہیں سادہ رنگ کی ہیں۔ اور ظاہری لحاظ سے ایسی شان کی حامل نہیں کہ دنیا کی ذی اقتدار اور عظیم شخصیتیں ان کی ظاہری عظمت کی بناء پر ان کی طرف رجوع کریں۔ مگر خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ ان سادہ حالات میں ہی وہ ہمارے مشنوں کو بہت عزت دے رہا ہے اور ہماری سادہ سی جگہیں ہی احترام سے دیکھی جاتی ہیں اور بڑے بڑے لوگوں کی آماجگاہ بن جاتی ہیں۔ اور یہ کیفیت کسی ایک ملک کے مشن کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کم و بیش ہمارے سب بیرونی مشنوں کا یہی حال ہے۔ اب ہالینڈ مشن کو ہی مثال کے طور پر لیا جائے۔ تو اس میں بڑے بڑے لوگوں کو جو دنیوی رنگ میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں آنے کا موقع ملا ہے۔ اور وہ شوق سے وہاں تشریف لاتے ہیں۔ چنانچہ ملایا کے وزیر اعظم تنکو عبد الرحمٰن، نائیجیریا کے وزیر اعظم تفاوی بلیوا (مرحوم) سعودی عرب کے پرنس فہد الفیصل۔ بحرین کے کراؤن پرنس اور وہاں کی شاہی فیملی کے ممبران۔ ہالینڈ کے مشہور و معروف وزیر خارجہ مسٹر لُنس اور متعدد ممبرانِ پارلیمنٹ منسٹرز۔ بین الاقوامی۔ عدالت کے ججز اور اسی طرح مسلم ممالک کے ایمبسڈرز بارہا مشن ہاؤس تشریف لائے۔ لائبیریا کے محبوب و معروف پریذیڈنٹ مسٹر ٹَبْ مین "جب ہالینڈ آئے۔ تو ان کی خدمت میں بھی قرآن کریم پیش کیا گیا۔ اسی طرح پاکستان نیشنل ہاکی ٹیم بھی متعدد مرتبہ وہاں آچکی ہے۔ کم و بیش ایسی ہی اہمیت کے واقعات ہمارے دوسرے مشنوں میں بھی آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ ہمیں ان لوگوں کی آمد سے ہمیشہ مسرّت ہوتی ہے۔ کہ اس طرح وہ احمدیت کے بارہ میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ اور انہیں احمدیت کو قریب سے ہو کر دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے۔

ایک عید ہی کا واقعہ ہے کہ سعودی عرب کے ایک دوست عید کی نماز کے لئے تشریف لائے۔ تو ان کی آنکھیں یہ دیکھ کر ایک خوشکن تعجب سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کہ یورپین لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور اسلام کی اشاعت کے لئے ہر دم کمربستہ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جب یہ نظارہ دیکھا تو بھری مجلس میں پکار اُٹھے۔ کہ

"آج ایک دفعہ پھر میں اسلام کا سورج مغرب

کی وادیوں سے طلوع ہوتے دیکھ رہا ہوں"۔

سعودی عرب کے پرنس فیصل جب مشن میں تشریف لائے۔ تو وہ بھی جماعت کی اسلامی خدمات اور یورپین احباب کے اخلاص سے اس حد تک متاثر ہوئے کہ انہوں نے واپس سعودی عرب جا کر معلوم ہوتا ہے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ مشن کی لائبریری کے لئے یکصد ضخیم کتب کی ایک پیٹی بذریعہ ہوائی جہاز ہالینڈ روانہ فرما دی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

جہاں تک اپنے احباب کے اخلاص اور قربانیوں کا تعلق ہے۔ وہ بھی کسی صورت میں کم ایمان افروز نہیں ہماری ایک خاتون عزیزہ والٹر تھیں۔ جو گزشتہ سال ہی کوئی ۷۵ سال کی عمر پا کر فوت ہوئی ہیں۔ خدا تعالےٰ کے فضل سے بہت ہی مخلص خاتون تھیں۔ روحانی رنگ غالب تھا۔ مستجاب الدعوات اور صاحبہ رؤیا و کشوف تھیں۔ نمازوں کا التزام بہت باقاعدگی کے ساتھ تھا۔ قرآن کریم سے ایسی محبت تھی جو عشق کا رنگ رکھتی تھی۔ مسجد کے ساتھ انہیں ایسا لگاؤ تھا۔ کہ کہا کرتی تھیں مجھے مسجد آکر سکون قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ خاتون کوئی بیس برس مشن کے ساتھ وابستہ رہیں اور مالی قربانیوں میں برابر حصہ لیتی رہیں۔

اسی طرح ہمارے نوجوانوں میں بھی بعض نہایت اخلاص کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ جماعتی کاموں میں نہایت شوق سے حصہ لیتے ہیں۔ اور اپنا بہت سا وقت اس کے لئے قربان کرتے ہیں۔ بعض دوستوں کے گھر ہیگ سے خاصے فاصلہ پر ہیں۔ مگر اس کے باوجود مسجد التزام سے آتے ہیں۔ بعض نوجوانوں کو اُن کے والدین نے بیعت کرنے پر تکالیف بھی دیں اور بہت تنگ کیا۔ مگر وہ تمام مراحل میں ثابت قدم رہے اور اپنے دین کو ہر چیز پر مقدم رکھا۔ بعض نوجوانوں کو سالہا سال تک اسلام سے وابستگی کو لوگوں سے مخفی رکھنا پڑا۔ اور اس غرض کے لئے انہیں بہت دفعہ قربانیاں دینی پڑیں۔ مگر اُن کے ایمان میں لغزش نہ آئی۔ ہالینڈ کے ایک مخلص نوجوان عمر نام ہیں۔ جن کی آمد کوئی بہت زیادہ نہیں۔ مگر چندوں میں وہ اس قدر باقاعدہ ہیں کہ اکثر وہ اپنے چندے پیشگی ادا کر دیتے ہیں۔ ایک دفعہ ایسا ہوا۔ کہ انہیں اپنی ملازمت سے نوٹس مل گیا۔ اب ایک غریب آدمی کے لئے ایسا وقت بہرحال مشکل ہی کا ہوتا ہے۔ مگر اُن کا اخلاص اس قسم کا تھا۔ کہ انہوں نے اپنی تھوڑی سی جمع شدہ رقم میں سے چار ماہ کا چندہ پیشگی ادا کر دیا تا ایسا نہ ہو کہ کام جلد نہ مل سکنے کے نتیجہ میں اُن کے تنگدستی کے حالات ان کے چندہ پر اثر انداز ہوں۔ یہ حالات ایسے نہیں کہ انہیں آسانی سے نظر انداز کیا جا سکے۔

اسی طرح ایک اور ممبر تھے جو سلسلہ کے لئے مالی قربانی کا خاص جذبہ اپنے اندر رکھتے تھے۔ انہیں ایک دفعہ جب علم ہوا۔ کہ ہالینڈ کی مسجد کے میناروں کے لئے ایک بڑی دنیوی شخصیت کے پاس جو امداد کی درخواست کی گئی تھی۔ اس کے متعلق ہمیں ایک گونہ

جواب ملا ہے تو اس مخیر اور مخلص دوست کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ مشن کو اس مایوسی کا سامنا کرنا پڑے۔ چنانچہ انہوں نے بڑے جذبہ کے ساتھ کہا کہ گو میں ایک غریب آدمی ہوں اور وہ شان نہیں رکھتا۔ جو فلاں شخص کی ہے اور نہ مالی لحاظ سے میرا اس کا مقابلہ ہے تاہم میں کوشش کرونگا۔ کہ اس ضرورت کو پورا کرسکوں۔ چنانچہ انہوں نے محدود آمد کے باوجود دو صد پونڈ کی رقم اس غرض کے لئے پیش فرما دی فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

یورپ میں اسلام کی یہ ابتداء گو بظاہر بہت بے حقیقت اور نہایت معمولی ہے۔ مگر یہ ابتدا بھی اب اس حالت میں ضرور ہے۔ کہ غیر اسے محسوس کرنے لگ گئے ہیں۔ چنانچہ ہیگ کا ایک کثیر الاشاعت اخبار N.H. Courant اپنی ۲۰ ستمبر ۵۸ء کی اشاعت میں یہ عنوان باندھتا ہے:۔

"مغربی یورپ میں اسلامی مہم کا آغاز"

اور پھر لکھتا ہے:۔

"گذشتہ ۱۱-۱۲ سال کے عرصہ میں یورپ نے کسی بڑی تعداد میں اسلام کو عملاً قبول نہیں کیا۔ مگر یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ کہ اس عرصہ میں جماعت احمدیہ کی کوششوں سے ایک بھاری تعداد اسلام سے ہمدردی رکھنے والوں کی ضرور پیدا ہو گئی ہے"

اسی طرح ہالینڈ کے مختلف اخبارات نے ایک دفعہ "اسلامی ہلال یورپ کے افق پر" کے موضوع پر اس خیال کا اظہار کیا کہ

"یورپ کا نوجوان طبقہ عیسائیت سے کچھ بیزار ہو رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ کسی بھی دوسری چیز کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف اسلام یورپ میں اتحاد کا علم لئے ہوئے ہے۔ اور یہ نوجوان طبقہ ادھر مائل ہو رہا ہے، اس بہاؤ کو روکنے کے لئے جس کا سب سے طاقتور انجن جماعت احمدیہ ہے ان کی راہ میں ایک ستون گاڑنا ہوگا"

یہ حالات ہمارے لئے خدا تعالےٰ کے فضل سے بہت امید افزا ہیں۔ لیکن یہ سب جو نظر آرہا ہے وہ ہماری کوششوں سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی تائید سے ہے اور اس کی ذرہ نوازی ہے۔ ورنہ عیسائی دنیا کے مقابل پر ہم کیا اور ہماری بساط کیا ـــــ امید کی کرن اگر کوئی تھی تو وہ وہی تھی جو گذشتہ صدی کے آخر پر قادیان ایسی گمنام بستی میں ظاہر ہوئی۔ جس نے آہستہ آہستہ اپنے گرد و پیش کو روشن کیا۔ اور پھر اس ملک کی حدود کو عبور کر کے اقصائے عالم میں نمودار ہونے لگی۔ اور بالآخر روشنی کی یہ شعاع سمندروں کو چیرتی اور پہاڑوں کو پھاندتی ہوئی زمین کے کناروں تک جا پہنچی۔ اور خدا کا کہنا پورا ہوا۔ کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" ـــــ

آج اسی جماعت کے نام لیوا اور اسلام کے علمبردار مشرق میں جزائر فجی۔ انڈونیشیا اور جاپان تک مغرب میں سپین اور امریکہ تک۔ شمال میں سکنڈے نیویا

اور انگلستان تک اور جنوب میں افریقہ کے دور دراز ممالک اور جنوبی امریکہ تک اسلام کے لئے برسرِ پیکار ہیں۔ متعدد غیر ملکی زبانوں میں اسلامی لٹریچر اور قرآن کریم کے تراجم شائع ہو کر لاکھوں لاکھ تشنہ کام روحوں کے لئے سیرابی کا باعث ہو چکے ہیں۔ عیسائیت۔ لا مذہبیت اور دہریت کے وہ گڑھ جہاں توحید کی صدا ایک بے موسم کی چیز نظر آتی تھی۔ آج انہی سنگلاخ زمینوں اور چٹیل میدانوں میں کچھ روئیدگی نظر آنے لگی ہے۔ روحانی زندگی کے آثار پیدا ہو رہے ہیں اور جگہ جگہ چہل پہل سی ہے۔ یہ انقلاب اور یہ کیفیت یقیناً اس خدائے ذوالجلال اور لازوال کی جلوہ نمائی اور کرشمہ سازی کا ایک زندہ ثبوت ہے۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو اور گالیاں سنو اور شکر کرو اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔ تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہو۔ ہر ایک جو تم میں سست ہو جائے گا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائیگا اور حسرت سے مریگا۔ اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ دیکھو میں بہت خوشی سے خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا درحقیقت موجود ہے اگرچہ سب اسی کی مخلوق ہے لیکن وہ اس شخص کو چن لیتا ہے جو اسکو چنتا ہے۔ وہ اسکے پاس آجاتا ہے جو اسکے پاس جاتا ہے جو اسکو عزت دیتا ہے وہ بھی اس کو عزت دیتا ہے۔" (کشتی نوح ص۱۵)

محمد ابراہیم شاد

رنگِ تغزّل

اعلانِ محبّت عام تو ہے ایقانِ محبت عام نہیں
فیضانِ محبّت عام تو ہے عرفانِ محبّت عام نہیں

اس عشق و وفا کی وادی میں دیوانے ہی جاں دیتے ہیں
عاقل کا یہاں پر دخل نہیں فرزانوں کا یاں کچھ کام نہیں

وہ عاشق کیسا عاشق ہے جو رسوائی سے ڈرتا ہے
وہ کیونکر مقصد پائیگا جو الفت میں بدنام نہیں

اُس یارِ ازل کو چھوڑ کے تم اغیار سے الفت کرتے ہو
وہ حُسن و وفا میں یکتا ہے اوران میں وفا کا نام نہیں

میں غم سے بیکل ہوتا ہوں اور فرقت میں جاں گھٹتی ہے
کچھ اُن کے سوا تسکین نہیں کچھ چین نہیں آرام نہیں

طوفانِ حوادث برپا ہے گرداب مصائب ہر جانب
اب کشتیٔ بحرِ ہستی کا معلوم مجھے انجام نہیں

جب شاد محمد عربی نے ہے مجھکو ابد تک زندہ کیا
پھر خضر مجھے درکار نہیں کچھ آبِ بقا سے کام نہیں

منور احمد انیس
مدیر اعلیٰ المنار (انگریزی)، ربوہ

اندر آنا منع ہے!

"میاں کہاں منہ اٹھائے چلے جا رہے ہو؟ جانتے نہیں اس علاقے میں آنا منع ہے۔ آپ سے کئی بار کہا مگر بے سود! ارے کیا گونگے کا گڑ کھائے بیٹھے ہیں؟ آخر بولتے کیوں نہیں؟ شرافت یہی ہے کہ الٹے قدموں لوٹ جائیے۔ ورنہ آپ تو کیا آپ کی نسلیں بھی تباہ ہو جائیں گی" صاحب یہ مکالمہ کسی تگڑی مونچھ والے چوکیدار کا نہیں بلکہ آپ کے جسم کے خلاف ہر لمحہ جراثیم کی جو گھمسان کا رن رہتی ہے اس سلسلہ میں جسم کا دفاعی نظام "تلخ نوائی سے معافی" کا خواستگار نہیں۔ بلکہ ان بیرونی حملہ آوروں کو کچل دینے کے لئے ہر لحظہ چوکس رہتا ہے۔

یہ بیرونی شر پسند عناصر آپ کے جسم میں ناجائز طور پر داخل ہو کر پُرامن خلیوں اور بافتوں میں ایک طوفان بدتمیزی پیدا کر دیتے ہیں۔ ہنستے مسکراتے خلیے زرد پڑ جاتے ہیں۔ ان کی بڑھوتری رک جاتی ہے اور بعض اوقات تو جلتی پر تیل یوں چھڑکا جاتا ہے۔ کہ خلیوں میں ہی سر پھٹول شروع ہو جاتی ہے۔ باہمی اتحاد سے رہنے بسنے والے خلیے آپس میں ہی دست و گریباں ہو جاتے ہیں۔ جوتیوں میں دال بٹنے لگتی ہے۔ اور اچھے بھلے نظام تلپٹ ہو رہتے ہیں۔

جسم کا نظام بگڑا اور آپ بستر کی پٹی سے لگ گئے لیکن قدرت نے جہاں آپ کو حیات سے نوازا ہے۔ وہاں اس کی مناسب حفاظت کے انتظامات بھی کئے ہیں۔

جراثیم ہمارے جسم میں تین ذرائع سے داخل ہو سکتے ہیں۔ ہوا میں لاکھوں کی تعداد میں سمّی مادے (VIRUSES) اور بکٹیریا (BACTERIA) موجود رہتے ہیں۔ اور سانس کے ذریعے پھیپھڑوں تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ غذائی اجزاء اگر ناقص ہوں اور واجب طور پر پاک نہ ہوں تو جراثیم نمو پاتے ہیں اور یوں غذا کے ساتھ معدہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ تیسرا راستہ یہ ہے کہ اگر آپ کی جلد پر کوئی زخم آ جائے۔ جس کے سبب جلد کے اندرونی اعضاء برہنہ ہو جائیں تو جراثیم بلا مزاحمت اندر چلے آتے ہیں۔ اور یوں گڑبڑ کا آغاز ہوتا ہے۔

لیکن ان تینوں راستوں پر مناسب حفاظتی دستے موجود ہیں جو یا تو جراثیم کو سرایت ہونے سے باز رکھتے ہیں اور اگر یہ داخل ہو جائیں۔ تو انہیں فوراً ہلاک کر دیتے ہیں۔ دفاعی خلیے اس محاورہ کو ثابت کر دکھاتے ہیں۔ کہ جو کسی کے لئے گڑھا کھودتا ہے خود گرتا ہے۔

آپ گنگناتے ہوئے سڑک پہ خراماں خراماں چلے جا رہے تھے۔ ایک "پردیسی راکٹ" قسم کے

ٹرک کے گزرنے سے تمام جانب گرد و غبار پھیل گیا۔ غبار چھٹا اور کچھ دیر بعد آپ آنکھیں ملتے ہوئے نمودار ہوگئے۔ جانتے ہیں کہ گرد کے ذرّات آنکھوں میں گھس جانے کے باعث آنکھوں سے پانی کیوں بہنے لگا؟ آنکھ کے اعضاء ہر لمحہ ایک جراثیم کش مادہ (LYSOZYME) میں نہائے رہتے ہیں۔ گرد و غبار ان اعضاء کے لئے نقصان دہ ہے۔ علاوہ ازیں انتہائی خورد جراثیم آنکھوں کی بافتوں کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ جیسے ہی یہ حضرات تشریف لائے جراثیم کش مادہ حرکت میں آیا اور یہ تمام احباب چاروں شانے چت۔ آنسو اس لئے بہتے ہیں کہ جراثیم کی یلغار کے باعث اس کیمیائی مادہ کے فعل میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خاک بسر گریباں چاک لوگ آنسوؤں میں بھی رنجِ یار دیکھ پاتے ہیں۔ یہ آنسوؤں کا رومانی پہلو ہے اور ہمیں تو ان کے جراثیم کش پہلو سے بحث ہے۔ مگر افسوس ہے کہ یہ مادہ "عشق کے جراثیم" کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔

ٹافیوں کے ڈھیر لار کھیئے اور ننھے منّوں کی رالیں ٹپکنی شروع ہوجائیں گی۔ اور رال ٹپکنا غالباً اب تک بچپن کی علامت ہے لیکن رال میں بھی ایسے کیمیائی مادے پائے جاتے ہیں جو "ملاوٹ شدہ" غذائی اجزاء کے مضر افعال کو مفلوج کر دیتے ہیں۔ لعاب دہن کے کیمیائی اجزا جراثیم کش خاصیت رکھتے ہیں۔ اور یوں غذا کسی حد تک پاک ہوجاتی ہے لیکن ــــ آگے آگے دیکھیئے ہوتا ہے کیا ــــ بعض جراثیم ان مادوں کی گرفت سے بچ نکلتے ہیں لیکن بدنصیب معدہ میں پہنچکر پھر مشکل کا سامنا کرتے ہیں۔ معدہ کی تیزابی رطوبتیں ان جراثیم کے تمام تخریبی منصوبوں کو ڈھیر کر دیتی ہیں۔

بہت سے جراثیم سانس کی آمد و رفت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے "دوشِ صبا" پہ سفر کرتے ہیں۔ اور یوں ناک کے گوشوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ جان نہ پہچان بڑی خالہ سلام۔ ان حضرات کی آؤ بھگت یوں ہوتی ہے کہ آپ نے زوردار چھینک ماری اور یہ غائب لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ تعداد سانس کی نالی میں بسیرا کرلیتی ہے یا پھیپھڑوں میں پڑاؤ ڈالتی ہے۔ آپ دو چار بار زور سے کھانس دیتے ہیں اور سینے کی جلن ختم۔!

سیب کا چھلکا اتارتے وقت چاقو کا پھل انگلی میں پیوست ہوگیا۔ زخم آگیا اور خون رسنے لگا۔ کچھ دیر بعد خون رسنا بند ہوگیا اور چند روز میں زخم بھی مندمل ہوگیا۔ انگلی کی جلد پھٹ گئی اور یوں جراثیم کے لئے ایک اور دروازہ کھلا۔ یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ حملہ آوروں کا فوری تدارک تو ممکن نہیں سو جراثیم در آتے ہیں۔ جراثیم کی آمد جلد کی اندرونی شریانوں اور وریدوں میں ہنگامی صورت حال پیدا کر دیتی ہے یہ تناؤ گشتی دستوں کو خبردار کرنے کیلئے کافی ہے

خون میں خاص خلیئے پائے جاتے ہیں۔ جو شکل میں ایک خلوی جانور بدلوا (AMOEBA) سے مماثل ہیں۔ اور انسانی خون کے ہر مکعب ملی میٹر میں انکی

تعداد ۵۰۰۰ تا ۱۰۰۰۰ ہوتی ہے۔ ان خلیوں کو سفید جسیمے (LEUCOCYTES) کہا جاتا ہے۔

یہ خلیئے جسم کے دفاع میں نہایت اہم کردار سرانجام دیتے ہیں۔ باہر سے آئے ہوئے جراثیم کو اپنے جسم میں سمو لیتے ہیں اور ہڑپ کر جاتے ہیں۔ آخر کونسا میکانیہ ہے جو ان جسیموں کو جراثیم کو پہچاننے میں مدد دیتا ہے؟ یا جراثیم کا "احساس جرم" ہی انہیں سُوئے دار لے جاتا ہے؟

جسم کے دوسرے خلیوں اور جراثیم کی کیمیائی ساخت اس لحاظ سے یکساں ہوتی ہے کہ دونوں کا خمیر لحمیات (PROTEINS) سے اٹھتا ہے۔ لیکن اس یکسانیت کے باوجود سفید جسیمے "بیرونی لحمیات" کی طرف مقناطیسی کی طرح کھنچے چلے آتے ہیں جبکہ وہ اندرونی خلیوں پر "دستِ شفقت" رکھے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خون میں جراثیم یا بیرونی لحمیات کی آمد چند نئے اور مخصوص کیمیائی مادوں (ANTIGENS) یعنی ضد جین کو جنم دیتی ہے ضد جین کی پیدائش مخصوص ضد جسیموں یعنی (ANTIBODIES) کی وجہ ولادت بنتی ہے۔ یہ ضد جسیمے تخصیص فعل کے علمبردار ہیں۔ یوں کہئے کہ الف ضد جسیمہ صرف ب ضد جین کے خلاف ہی کارگر ہے، ج مادہ یا کسی اور قسم کے خلاف نہیں۔ چنانچہ یوں جراثیم اپنی آمد کی خبر خود دیتے ہیں۔ اور ان کا بیل بہانگِ دہل آنا خود ان کے لئے حرزِ جان بن جاتا، اور انہی مادوں کی پیدائش کے باعث سفید جسیمے اپنے اور پرائے کی تمیز کر سکتے ہیں ورنہ سب ہی کو ایک لاٹھی سے ہانکتے رہیں۔

لیکن تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ کسی سفید جسیمے کو فرصتِ یک نفس حاصل ہوئی۔ اور یہ غُنچہ دے گئے۔ مگر یہ عشوہ طرازی کب تک؟ آسمان سے گرے کھجور میں اٹکے۔ ان سے بچے تو ایک اور مخصوص قسم کے خلیئے MACROPHAGES دوزخ شکم سمجھانے کو تیار بیٹھے ہیں۔ یہ خلیئے ان مفرور ملزموں کو گرفتار کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ بعض جراثیم اپنے دفاع میں سفید جسیموں کی ہلاکت آفرین رطوبت کے لئے کیمیائی مادے پیدا کرتے ہیں۔ MACROPHAGES نہ صرف احتجاج کرنے والوں کو بلکہ سفید جسیموں کو بھی ہڑپ کر جاتے ہیں۔ کیونکہ اب وہ سفید جسیمے بھی اس رطوبت سے آلودہ ہو جاتے ہیں اور جسم کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ ایک اور کام بھی ہوتا رہتا ہے۔ اگر زخم مندمل نہ ہو تو جراثیم کی یلغار جاری رہیگی اور متاثرہ علاقوں میں امن قائم کرنے کی تمام کوششیں بے سُود! چنانچہ ان علاقوں میں "مہاجر کیمپ" قائم کر دیئے جاتے ہیں۔ خون کے بعض مخصوص کیمیائی اجزاء بڑی تیزی سے باہمی طور پر تعامل کرتے ہیں۔ اور مسمار شدہ بافتوں کی مرمت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ خون کا ایک مادہ فائبرین افزا یعنی FIBRINOGEN تیزی سے ایک ٹھوس ریشہ دار

مادہ لیفی یعنی FIBRIN میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور شگاف کے آگے ایک جالی سا بن جاتا ہے یوں خون کا بہاؤ رک جاتا ہے۔ اور بیرونی جراثیم کی آمد بھی بہت حد تک رک جاتی ہے۔ لحمیات کے گودام کھلتے ہیں۔ اور تازہ کھیپ متاثرہ علاقوں تک پہنچائی جاتی ہے۔ تاکہ زخم جلد از جلد مندمل ہو جائے۔

ہمارے جسم کا دفاعی نظام بڑی خاموشی سے ہمارے لئے جہد للبقاء میں مصروف ہے۔ لیکن اس کی "ہمدردیاں" بھی رنگ لائی ہیں۔ ایسی بھی بے رخی کیا۔؟ تبدیلئ قلب کی جراحی میں سب سے بڑی مشکل اب یہی ہے۔ کیونکہ سفید جسیمے سب ہی کو ایک صف میں کھڑا کرتے ہیں۔ آخر کچھ "بیرونی لحمیات" جسم کے لئے مفید بھی تو ہیں۔ مثلاً کسی معطی کا دل گردے یا دوسرے اعضاء۔ لاشعاعی اثرات کے تحت سفید جسیموں کا منہ کسی حد تک بند کر دیا گیا ہے۔ امید ہے جلد ہی کوئی ایسا طریق وضع ہو جائے گا۔ کہ اس نظام پر قابو پایا جا سکے۔ اور حسب ضرورت سفید جسیموں کو فعال یا مفلوج کیا جا سکے۔

ساحر حبیب ربوہ

"ربوہ"

مرا شہر ربوہ، ترا شہر ربوہ، رواں آبجو کے کنارے کنارے
امیدوں کے جھرمٹ، عمل کے گلستاں، نئے صدق و عرفان احمد کے دھارے
پہاڑوں کی آغوش میں یہ مساجد، یہ پھولوں کے پہلو میں کھلتے دفاتر
یہ بازار کی جگمگاتی دکانیں، عقیدت کے میلے جنوں کے نظارے
یہ انصارِ احمدؐ، یہ خدام احمدؐ، یہ اطفالِ احمدؐ ہیں احسانِ احمدؐ
جہانگیر احمدؐ، جہانبانِ احمدؐ، جہاندارِ احمدؐ جہاں کے سہارے
قلوب و نظر میں وفا کا چراغاں جبینوں کی شمعیں فروزاں فروزاں
عبادت کے آنسو، اطاعت کے دیپک ہیں چرخ محمدؐ کے روشن ستارے
یہ خالد، یہ مصباح یہ نصرت یہ بشریٰ یہ تشحیذ آذان یہ انصار اللہ
یہ الفضل و فرقان تہذیبِ نو کے نشیمن پہ ہر دم گراتے شرارے
یہ گہوارۂ علم و اخلاق و دانش، یہ تبلیغ اسلام احمد کا سورج
بھرے دہر میں امن کے گاہوارے، پہاڑوں کے دامن میں اجلے ادارے
ہے طوفانِ کفر و ضلالت کے اندر ہماری جماعت تو نوح کا سفینہ
لگے گا سفینہ ہمارا کنارے یہ ناصر کے ہاتھوں خدا کے سہارے
ہو دینِ محمدؐ پہ فضلِ خدا اب۔ خدایا یہ ارمانِ احمدؐ سلامت!
اُٹھے ہر جگہ سے ترا نام یارب، خدایا یہ ارمانِ احمدؐ سلامت!

مکرم ڈاکٹر میاں محمد طاہر ابن مکرم میاں عطاء اللہ مرحوم
حال اریگان - یو - ایس - اے

قادیان —— چند یادیں

قادیان امرتسر سے ۳۶ میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ اس کی آبادی چند ہزار گھرانوں پر مشتمل تھی۔ اسے آموں کے باغ۔ ڈھاک کے درخت اور پانی کی کھائی نے گھیر رکھا تھا۔

قادیان - جس میں مسجد مبارک تھی۔ مسجد اقصیٰ تھی منارۃ المسیح تھا۔ بہشتی مقبرہ تھا۔ ہائی سکول تھا۔ ریتی چھلہ تھا جس میں ایک بہت بڑا برگد کا درخت تھا۔ جس کی چھاؤں بہت گھنی تھی۔

قادیان - جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ اور جب کبھی برسات بہت زوروں سے ہو جاتی۔ تو قادیان جزیرہ کی طرح باقی دنیا سے چند دن کے لئے کٹ جاتا تھا۔ قادیان کے چاروں طرف ایک ناہموار کھیتوں کا سلسلہ میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ بٹالہ قادیان سے بارہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور نہر صرف ساڑھے تین میل۔ رات کے وقت منارۃ المسیح کی روشنیاں کئی میل تک نظر آجاتی تھیں۔ قادیان کی آبادی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

قادیان جہاں دسمبر کے مہینے میں جلسہ سالانہ ہوتا تھا۔ جہاں مرد عورتیں اور بچے نئے اور رنگین کپڑے پہنے خوشبوں سے تمتماتے چہرے لئے ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوتے تھے۔

امرتسر قادیان سے صرف ۳۶ میل کے فاصلے پر تھا۔ میں میرے والدین اور بہن بھائی سب جلسہ سالانہ کی آمد کا انتظار بڑی شدت سے کرتے تھے۔ بہنیں اپنی گوٹے والی چنریاں اور خوبصورت زرق برق کپڑے جنہیں دیکھ کر ان کا دل بار بار مچل جاتا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ ان سب کو ایک دم سے پہن ڈالیں جلسہ سالانہ کے موقعہ کے لئے سنبھال کر رکھ دیتی تھیں۔ اور بھائیوں کے نئے کپڑوں۔ موزوں اور جوتوں کی خرید و فروخت بھی کچھ تو دسمبر کے مہینے پر ملتوی ہو جاتا تھا جلسہ سالانہ عموماً ۲۶-۲۷-۲۸ دسمبر کو ہوتا تھا اور ہماری تیاری کئی مہینے پہلے شروع ہو جاتی۔

اور پھر ایک دن آجاتا جب امی گرجتیں اور ابا جان برستے تھے۔ سب بچے جو خوشی کے مارے دیوانے ہوئے جاتے تھے جو کئی راتوں سے سوئے نہ ہوتے تھے کو اکٹھا کیا جاتا۔ سامان بندھتا اور تانگوں پر سوار ہو کر امرتسر کے ریلوے سٹیشن پر پہنچ جاتے۔ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے احمدی احباب ابا جان سے ریلوے سٹیشن پر مل جاتے تو وہ ان سے معانقہ اور علیک سلیک میں مشغول ہو جاتے اور ہم سب گاڑی میں کھڑکیوں کے سامنے بیٹھنے کی کوشش شروع کر دیتے۔

امرتسر سے گاڑی لوکاتوں۔ آلوچوں اور امرودوں کے باغوں کے درمیان میں سے سیاہ دھواں اپنے پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے بڑھتی تو میرے دل میں خوشی کے ساتھ ساتھ ہلکے سے غم کے جذبات بھی پیدا ہوجاتے کہ خوشی کے یہ کچھ دن چند لمحوں میں گزر جائیں گے اور پھر دوسرے جلسہ سالانہ کے لئے ایک سال انتظار کرنا پڑے گا۔ اور جب گاڑی باغوں کے درمیان میں درختوں کو طوفانی قسم کی ہوا کے ساتھ ہلاتی ہوئی گذرتی تو یوں محسوس ہوتا کہ ساری دنیا خوشی کے مارے جھوم رہی ہے۔ پھول پتے اور ٹہنیاں یہ کہنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہ اے دیارِ حبیب کو جانے والو! اے مسیح کی بستی میں جمع ہونے والو! اے خدا تعالےٰ کے پرستارو! اور اس کے رسول کے جاں نثارو! ہمیں بھی ساتھ لے چلو۔ تا ہم بھی ان دعاؤں کے مستحق ہوجائیں جو آپ کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مانگی ہیں۔

آہستہ آہستہ ویرکا۔ کتھوننگل۔ جینتی پورہ اور پھر بٹالہ آجاتا۔ بٹالہ کے سٹیشن پر ہماری نظریں مرزا عبدالحق صاحب کے بچوں کو تلاش کرنا شروع کر دیتیں اور آخر جب ناصر۔ طاہر۔ سعادت۔ عزیزہ اور دوسرے چھوٹے بچے ہم لوگوں کو دیکھ لیتے تو خوشی سے اچھلتے کودتے اسی ڈبے پر یلغار کر دیتے جس پر ہم سوار ہوتے تھے۔ اور پھر گاڑی آہستہ آہستہ مسافروں سے کھچا کھچ بھر جاتی جو ایک ہی ترنگ اور ایک ہی نشے میں چور ہوتے تھے۔ ہر مسافر تھوڑا تھوڑا اسباب لا کے گاڑی میں بیٹھ جاتا۔ ہر ایک کے چہرے پر ایک خوشی اور اطمینان کا نور برس رہا ہوتا اور زبان پر دعائیں جاری ہوتی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوئی محبت سے سرشار دیوانہ وجد میں آکر بڑے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کرتا تو ہم سب بچے بڑے جوش کے ساتھ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی آواز کو اپنی چھوٹی چھوٹی باریک آوازوں سے ملا کر بلند کرنے کی کوشش کرتے۔

اور پھر وڈالہ گرنتھیاں سے لوگ کھڑکیوں سے سر نکال نکال کر منارۃ المسیح دیکھنے کی کوشش کرتے۔ جب یہ شہد کی مکھیوں کے سے دیوانے خوشبو سے معطر فضا کو پہچان کر منارۃ المسیح دیکھ لیتے تو یوں محسوس ہوتا کہ ان کا طوفان تھم گیا ہے اور تلاطم میں ایک سکون آگیا ہے۔ پھر یکدم سب کے ہاتھ دعا کے لئے اُٹھ جاتے اور بعض احمدی اس التجا سے دعا کرتے کہ ہم بچوں کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور ہم اپنی دعاؤں کو بھول جاتے اور سوچنا شروع کر دیتے کہ اللہ میاں! دیکھ یہ تیرے بندے کس التجا سے تیرے اور تیرے رسول کے نام کی بلندی کے لئے دعا کر رہے ہیں ان کی خواہشیں صرف تیری رضا ہے۔ اور ان کی جدوجہد صرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا بلند کرنا ہے۔ ان کی دعائیں سن لے۔ اور پھر انہی التجاؤں۔ انہی دعاؤں اور آمین کے درمیان گاڑی قادیان پہنچ جاتی۔ استقبالیہ کمیٹی کے افراد اور بہت سے معاون بچے سٹیشن پر موجود ہوتے۔ جونہی گاڑی سٹیشن پر پہنچتی تو گاڑی کی آواز نعرۂ تکبیر اور اسلام زندہ باد کے نعروں میں دب جاتی۔

پھر اگلے دن جلسہ سالانہ شروع ہو جاتا۔ تقاریر کے درمیان اور یا ایسی تقاریر جو ہماری سمجھ سے بالا ہوتیں کے اوقات میں کیلے اور مالٹے کھائے جاتے اور کبھی کبھار ہائی سکول اور اس کے گرد و نواح میں گھوما جاتا۔ ظہر کی نماز مسجد نور میں ادا کرنے کے بعد کمبل لپیٹ کر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی تقریر سننے کے لئے بیٹھ جاتے۔ ہماری کوشش ہوتی کہ ہم ایسی جگہ بیٹھیں جہاں سے ہم حضور کو اچھی طرح سے دیکھ سکیں۔ ہم ہر لفظ سننے کی کوشش کرتے اور خواہش ہوتی کہ کاش ہمارا حافظہ اتنا اچھا ہو کہ ایک بار سننے سے سب کچھ یاد ہو جایا کرے۔ اور پھر جب حضرت خلیفۃ المسیح ثانی رضی اللہ عنہ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی باتیں سناتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور مقداد رضی اللہ عنہ بن اسود کے واقعات دہراتے تو میرا جی چاہتا۔ کہ پھر جلسے میں کھڑا ہو جاؤں اور بلند آواز سے کہوں۔ کہ اے میرے پیارے خلیفہ! اے رسول اللہ کے عاشق! اے مسلمانوں کے سپہ سالار! میں اگرچہ عمر میں چھوٹا ہوں۔ لیکن مجھے بھی اپنے جاں نثاروں میں شامل کر لے

پھر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے گیت گائے جاتے۔ علمی اور روحانی غذا ملتی۔ ممالک غیر میں تبلیغی سرگرمیوں اور ان کی دشواریوں کے متعلق پتہ چلتا۔ اور پھر یوں معلوم ہوتا کہ یہ پروانے یہ جاں نثاران رسول پھر پیغام حق لے کر تیار ہو گئے ہیں۔ اور آنے سال تک کے لئے ان کے پاس کافی

زادِ راہ ہے۔ جب بہشتی مقبرہ جاتے ہوئے مہمانخانہ سے گذرتے تو جامعہ احمدیہ کے بچے خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھ رہے ہوتے۔ اور پھر اچانک محمد رمضان صاحب کی آواز سنائی دیتی تو قدم رُک جاتے۔ اور پھر آموں کے باغ سے گذرتے ہوئے بہشتی مقبرہ پہنچ جاتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کے مزار پہ دعا کرنے کے بعد تھوڑی دیر بہشتی مقبرہ میں گھومتے رہتے۔ کتبوں پر نام تاریخ پیدائش اور وفات اور بعض اوقات چند فقرات جو کتبے پر کندہ ہوتے پڑھتے اور پھر واپس لوٹ آتے۔ ہر آنے جانے والا ایک دوسرے کو "بھائی جی" کہہ کر پکارتا اور ہر آدمی دوسرے سے السلام علیکم پہلے کہنے میں بازی لے جانے کی کوشش کرتا۔

ایک مرتبہ ایک غیر احمدی صاحب میرے ساتھ قادیان آئے۔ کچھ دن ٹھہرنے کے بعد جب امرتسر واپس پہنچے تو کہنے لگے۔ کہ میں نے قادیان میں اتنی مرتبہ السلام علیکم سُنا اور کہا کہ میرا منہ تھک گیا۔

چوہدری فیروزالدین صاحب وکیل امرتسر جو غیر احمدی تھے اور برادرم محمد حسین ساجد کے والد تھے جلسہ سالانہ پر آئے اور محترم ملک غلام فرید صاحب کے ہاں قیام کیا۔ فجر کی نماز کے لئے میرے ساتھ مسجد فضل کی طرف چلے تو راستہ میں ہر طرف اونچی آواز میں دعائیں اور قرآن مجید پڑھنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ فرمانے لگے۔ کہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ قادیان پر نور برس رہا ہے۔

جب واپسی کا دن آتا - تو دل بجھا بجھا سا رہتا - اور جی چاہتا کہ کاش وقت کی رفتار رک جائے اور یا گردشِ ایام پیچھے کی طرف دوڑنا شروع کر دے اور یہ خزاں سی جو دل پر چھا رہی ہے پھر بہاروں میں بدل جائے۔ پھر خوشیوں کے پھول کھل جائیں اور پھر ان کی معطر بھینی بھینی فضا میں ہم جھومیں جھومیں پھریں - اور حضور کی باتیں سُنیں اور پھر اسی مدہوشی کے عالم میں ہم ایک دوسری دنیا میں کھو جائیں - جس میں حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہوں - حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور خالدؓ ہوں - وہ دنیا کتنی پیاری اور حسین دنیا ہوگی -

ہم لوگ جب امرتسر واپس پہنچ جاتے - تو پژمردہ دل کی کلی بہت دنوں مرجھائی رہتی - یونہی ماہ و سال گذرتے رہے اور پھر جون ۱۹۴۷ء میں ہم قادیان چلے آئے - فسادات کی آگ جو پورے پنجاب میں بھڑک چکی تھی - آہستہ آہستہ ضلع گورداسپور کی طرف بھی پھیلنے لگی - قادیان کے گرد و نواح کے دیہات میں قتل و غارت کی اکّا دکّا وارداتیں آہستہ آہستہ منظم حملوں کی صورت اختیار کر گئیں - شروع شروع میں تو مسلمان جم کر لڑتے رہے - کیونکہ انہیں احساس تھا - کہ ضلع گورداسپور پاکستان کا ایک حصّہ ہوگا اور پھر حکومت پاکستان ان فسادوں کی روک تھام کرے گی -

جب پاکستان بننے کا اعلان ہوا - تو قادیان میں بھی خوشیاں منائی گئیں - کہ اب امن و امان کا زمانہ دور نہیں - اب پھر سب لوگ مل بیٹھیں گے اور نفرت کا وہ بیج جو سیاسی اکھاڑوں سے بکھرا تھا ختم ہو جائے گا - پھر پیارے لال کی دکان سے عورتیں زیور خریدیں گی - پھر احمدیہ بازار اور بڑے بازاروں میں لوگ اطمینان سے گھومیں گے - لیکن آس پاس کے اضلاع میں حملے بڑھتے گئے - عورتوں کے سہاگ لٹتے گئے - بچے یتیم ہوتے گئے - اور جوان بچے بوڑھے والدین کے سامنے موت کے گھاٹ اُترتے گئے - اور پھر کچھ دنوں بعد اعلان ہوا - کہ قادیان ہندوستان کا حصّہ ہے - تب بھی یہ احساس رہا - کہ تھوڑے عرصہ کے اندر اندر حکومت ہندوستان فساد ختم کر دے گی - لیکن پھر حملہ آوروں کی تعداد بڑھتی گئی - اور مرنے والوں کی تعداد کا اندازہ مشکل ہوتا گیا - مرنے والوں نے جیتے رہ جانے والوں کی کمر توڑ دی تو پھر قرب و جوار کے دیہات خالی ہونے لگے - فیض اللہ چک سیکھواں اور کچھ اور بھی دیہات جہاں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی تھی - سنسان ویرانیوں میں تبدیل ہوگئے - ان کے مکین خوف و ہراس سے دہشت زدہ کمروں پر بچوں اور بوڑھے والدین کو لادے قادیان کو پناہ گاہ سمجھ کر اس دارالامان میں پہنچ گئے اور کچھ پاکستان کی سمت قافلہ کی صورت میں روانہ ہوگئے - لیکن ان میں سے بہت پاکستان پہنچنے کی

حسرت دل میں لئے راستہ ہی میں ابدی نیند سُلا دیئے گئے۔ پھر قادیان جو ابھی تک حملوں اور وارداتوں سے محفوظ تھا۔ کی آبادی بڑھتی گئی۔ بجلی۔ تار۔ ڈاک اور آمد و رفت کے سب ذریعے بند ہو گئے۔ اور قادیان لاکھوں انسانوں کے ہجوم کو اپنی آغوش میں لئے ساری دنیا سے الگ تھلگ ہو گیا۔ پھر اچانک ایک دن اطلاع ملی۔ کہ جماعت نے حفاظت سلامتی اور بعض اور امور کے مدنظر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو پاکستان بھیج دینے کے فیصلہ پر عمل کر لیا ہے۔ پھر یکدم یوں محسوس ہوا کہ ہمارا مرکز حیات ہم سے دور چلا گیا۔ اور اداسی کے بوجھ سے ہمارے دل بھاری ہو گئے ہیں۔ پھر میرا دل چاہا کہ ڈلہ کی سڑک پر کھڑے ہو کر پاکستان کی طرف منہ کر کے اونچی آواز سے کہوں ؎

رخصت اے دل کے مالک و مختار
رخصت اے میرے قافلہ سالار
دل تھا ناآشنا خزاں سے مرا
تیرے دم سے تھی زندگی کی بہار

اور پھر چند دن بعد حضور کا خط ملا۔ جس میں حضور نے جماعت کو میرے عزیز بچو کہہ کر مخاطب کیا ہوا تھا اور ہم پھر بچوں کی طرح بلک بلک کر رو دیئے۔

حضور نے لاہور پہنچ کر قادیان سے بچوں اور عورتوں کو نکلوانے کا بندوبست فرمایا۔ کبھی چند ٹرک آئے تو کبھی سو کے قریب پہنچ گئے۔ اور پھر یونہی قادیان سے جانے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ پھر ایک دن ایک بہت بڑا قافلہ پیدل سلامتی کی تلاش میں پاکستان کی طرف چل دیا۔ لیکن ان میں سے سینکڑوں نے موت کی آغوش میں سلامتی پائی۔

میں۔ منیر اور برادرم محمد حسین ساجد مہمانخانہ میں رہا کرتے۔ رات کو پہرہ دیتے اور دن کے وقت کپڑے دھوتے اور دیگر صفائی میں مشغول رہتے کبھی کبھار محلہ ناصر آباد سے ہمارے دوست محمود صاحب تشریف لے آتے۔ ہماری ہمیشہ ان سے یہ درخواست ہوتی کہ ثاقب زیروی کی نظم سنائیں۔ اور جب وہ اونچی آواز میں نظم پڑھتے کہ ؎

قادیاں دارالاماں اونچا رہے تیرا نشاں

تو ہماری آنکھوں میں آنسو آجاتے اور دل دعاؤں میں ڈوب جاتا۔

پھر ۳ر اکتوبر ۱۹۴۷ء آگیا۔ وہ دن کہ جس کا بہت دن سے ڈر تھا آگیا۔ پو پھٹنے سے ذرا پہلے دارالصحت کی طرف سے حملہ ہوا۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد قادیان چاروں طرف سے حملہ آوروں سے گھر گیا روشنی ہو جانے کے بعد اُجاگر سنگھ کے کئی منزلہ مکان کی چھت سے ایک گروہ نے رائفلوں سے گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ گولیوں کا رُخ مسجد اقصیٰ قصر خلافت۔ حلقہ مسجد مبارک اور دارالصحت تھا۔ اسی طرح دوسرے محلہ جات میں حملہ آور گولیوں برچھیوں تلواروں اور لوٹوں سے معصوم انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ دن ڈھلے تک چند ایک جگہوں پر مقابلہ ہوتا رہا۔ جن میں ایک حلقہ مسجد مبارک

بھی تھا۔ اور پھر جب تمام مسلمان چند ایک مقامات پر مکمل کرا کٹھے کر دیئے گئے۔ تو لڑائی بند ہو گئی۔

حضرت صاحب کے بھیجے ہوئے ٹرک آتے رہے اور جماعت اور غیر از جماعت لوگ ان کے ذریعے پاکستان پہنچتے رہے۔ ہم اب تھوڑی سی جگہ کے اندر محصور ہو چکے تھے۔ وہی ہمارے گھر تھے۔ وہی قادیان تھا۔ وہی ہماری مساجد تھیں۔ وہی ہمارا جلسہ گاہ تھا۔ وہی ہمارا ریلوے سٹیشن تھا جہاں اب استقبالیہ کمیٹی کے نمائندے اپنے معاونین کے ساتھ موجود نہ تھے۔ اب جامعہ احمدیہ سے بچوں کی خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھنے کی آواز نہیں آتی تھی۔ اب حافظ محمد رمضان صاحب کی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اب مسجد مبارک سے مولوی سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

اب زرق برق کپڑے پہنے بچے نظر نہ آتے تھے اور بھائی شبیر محمد صاحب کی دوکان پر میٹھی گولیاں خریدنے والے بچوں کا ہجوم نہ تھا۔ اب غلام رسول پٹھان جیسا جسیم شحیم بزرگ اپنی دوکان کے سامنے کھڑا مہین سی آواز کے ساتھ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتا ہوا سنائی نہ دیتا تھا۔ درزی خانہ بند ہو چکا تھا سیلونی کی دوکان پر چائے پینے والوں کا جمگھٹا ریب منتشر ہو چکا تھا۔ میرے بھائی منیر اور محمد حسین ساجد تو ۳۱ اکتوبر کو پاکستان چلے آئے اور مجھے پتہ چلا کہ میں ۱۱ نومبر کو جاؤں گا۔ میں ۱۰ نومبر کو بہشتی مقبرہ پہنچا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کے دروازے کے جنگلے کو پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اور پھر یکدم جی امڈ آیا۔ اور یہ ضبط جو عرصہ سے قائم تھا ٹوٹ گیا۔ اور میں کہتا رہا۔ اے مسیح موعود۔ اے ہادئ دین، اللہ میاں سے پوچھکر اتنا تو بتلا دیں کہ ع

تیرے بندوں پہ مرے مولا زمانہ کب سازگار ہوگا۔

منارۃ المسیح اب بھی محافظ کی طرح شہر کے بیچوں بیچ کھڑا تھا اس کی سفید براق دیواریں ویسی ہی تھیں۔ وہ چپ چاپ کھڑا اپنے اردگرد ہونے والے واقعات کو خاموشی مگر غم کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

دوسرے دن صبح کے وقت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی کوٹھی کے بالمقابل ٹرکوں اور لاریوں کے قافلہ پر سوار ہونے کے لئے جمع ہو گئے۔ پھر میں نے پیچھے مڑ کر مسجد اقصٰے کی طرف دیکھا۔ منارۃ المسیح کی طرف دیکھا۔ قادیان کی بستی کی طرف دیکھا۔ اور یوں محسوس ہوا کہ مسجد اقصٰے اور مسجد مبارک کے گنبدوں سے صدائیں آرہی ہیں کہ میرے مکینو۔ میرے احمدیو! میرے عبادت گذارو! میرے بچو! مت جاؤ۔ ہمیں چھوڑ کر مت جاؤ۔ ہم تنہا یہاں کیا کریں گی۔ یا تم نہ جاؤ۔ اور یا ہمیں بھی ساتھ لے جاؤ۔ اور پھر یوں محسوس ہوا کہ بہشتی مقبرہ کے مکین اپنے کتبوں کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اے ہماری نوجوان اولادو! کل ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جان نثار کرنے چلے آئے تھے۔ اور پھر ہم اپنے محبوب کے پہلو بہ پہلو سو گئے اور آج تم قادیان چھوڑے جا رہے ہو بہشتی مقبرہ چھوڑے جا رہے ہو۔ اپنے اسلاف کے مقابر

چھوڑے جارہے ہو۔ شعائر اللہ کو چھوڑ رہے ہو۔ کیا ہم نے تمہاری تربیت ٹھیک۔ طرح سے نہ کی تھی۔ یا تم میں کچھ کمی رہ گئی ہے۔ قادیان دارالامان ہے۔ اس کی پناہ کو چھوڑ کر کہاں پناہ پاؤ گے۔ میرا دل چاہا کہ میں اونچی آواز سے پکاروں کہ اے میرے آبائے کرام! اے میرے قابلِ تقلید بزرگو! ہمیں گردشِ حالات نے ہجرت کے لئے مجبور کر دیا ہے۔ ہم پھر آئیں گے ہم پھر ملیں گے۔ میں آپ کے ستاروں پر کمندیں ڈالنے والے فرزندوں کے ساتھ پھر لوٹوں گا۔ یہ جدائی عارضی ہے۔ یہ جدائی عارضی ہو گی۔ لیکن میری آواز غم کی وجہ سے گھُٹ گئی۔

پھر آہستہ آہستہ لاریوں اور ٹرکوں کا کارواں قادیان سے دور ہوتا گیا۔ اور مجھے قادیان کے گلی کوچے۔ مسجد نور۔ ہائی سکول۔ بورڈنگ ہاؤس یاد آتا رہا۔ پھر مجھے ریتی چھلہ یاد آیا جس میں ایک بہت بڑا برگد کا درخت تھا۔ اور جس کا سایہ بہت گھنا تھا

راستہ میں گلی سڑی انسانی لاشوں اور جلے ہوئے کپڑوں کے آثار نظر آنے لگے۔ شاید یہ وہ لوگ تھے جو صرف اس لئے موت کے گھاٹ اُترے کہ وہ اپنے آپ کو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ وابستہ کرتے تھے۔ ان لاشوں کے بازو پھیلے ہوئے تھے۔ شاید یہ بازو اس لئے اُٹھے تھے۔ کہ وہ اپنی بہنوں۔ بیویوں اور ماؤں کو بچا سکیں کہ جنہیں دشمن اُٹھائے لئے جا رہا تھا۔

کارواں چلتا رہا۔ پھر امرت سر آیا۔ وہی امرتسر جہاں سے ہم جلسہ سالانہ کے لئے قادیان جایا کرتے تھے۔ اور جس کے لئے میری بہنیں اپنے گوٹے والی چنریاں اور خوبصورت کپڑے سنبھال کر رکھ دیتی تھیں اور جس کے لئے ہماری تیاری کئی مہینے پہلے شروع ہو جاتی تھی۔ پھر برادرم فیض احمد گجراتی جو میرے ساتھ ہی لاری پر بیٹھے ہوئے تھے۔ نے کہا کہ پاکستان کا بارڈر آگیا ہے۔ چونکہ کچھ ٹرک پیچھے رہ گئے تھے۔ اس لئے ان کے انتظار کے لئے رکنا پڑا۔ میں لاری سے اُتر آیا۔ اور بارڈر کے اُس پار دیکھنے لگا۔ جو اَب مشرقی پنجاب کہلاتا تھا۔

قائدین اضلاع کیلئے قابلِ تقلید نمونہ

قائد ضلع ملتان مکرم محمد انور صاحب ہاشمی نے صرف ۳ ماہ میں تعمیر ہال "ایوانِ محمود" کے سلسلہ میں مقرر کردہ ٹارگٹ نہ صرف پورا کر دیا ہے۔ بلکہ اس سے زائد جمع کروا چکے ہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

دیگر قائدین اضلاع کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ بھی وعدہ جات کے حصول اور ان کی وصولی کی پوری پوری سعی فرمائیں۔

(مہتمم مال خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ)

فیض چنگوی
سابق ایڈیٹر اخبار المصلح کراچی

آمد امام الزمان

(۱)

اے نوجوانِ باوفا — اے دردِ ملت کی دوا
تو کیا کھڑا ہے سوچتا — اب وقت پورا ہو گیا
جس کو سلام اپنا کہا — یعنی غلامِ مصطفےٰ!
ہے آگیا ہاں آگیا — بس اے جوانِ باوفا
اپنا قدم آگے بڑھا

(۲)

چڑھتے ہی یہ ہدی صدی — نور آگیا ظلمت اُڑی
شیطاں کی شیخی کرکری — دم بھر میں یکسر ہو گئی
باطل چھپا حق چھا گیا — یعنی غلامِ مصطفےٰ!
ہے آگیا ہاں آگیا — بس اے جوانِ پارسا
اپنا قدم آگے بڑھا

(۳)

جس کے لئے پیر و جواں — تھے منتظر سب بے گماں
وہ نازشِ کون و مکاں — صادقِ امام کامراں
باشوکت و شانِ خدا — یعنی غلام مصطفےٰ!
لو آگیا وہ آگیا — بس اے جوانِ پارسا
اپنا قدم آگے بڑھا

(۴)

ظلمتوں پر بجلیاں — وہ کفر پر چنگاریاں
باطل کی مرگِ ناگہاں — رنگِ بہارِ بوستاں
رنگیں گھٹا ٹھنڈی ہوا — یعنی غلام مصطفےٰ!
وہ آگیا وہ آگیا — بس اے جوانِ پارسا
اپنا قدم آگے بڑھا

(۵)

پھوٹے شگوفے ٹہنیاں — ہیں گل بداماں جھاڑیاں
خوش عندلیب و قمریاں — رطب اللساں نغمہ کناں
موجِ صبا ہے کیف زا — یعنی غلامِ مصطفےٰ
ہے آگیا ہاں آگیا — بس اے جوانِ پارسا
اپنا قدم آگے بڑھا

(۶)

پھوٹی کرن جاگو اُٹھو — اے ہمصفیرو داد دو سنو
دیکھو جبینِ وقت کو — اور صفحہ ہستی پڑھو
ہادی ہمارا رہنما — یعنی غلام مصطفےٰ
وہ آگیا وہ آگیا — بس اے جوانِ پارسا
اپنا قدم آگے بڑھا

(۷)

وہ خوش بیاں حق ترجماں — وہ راہِ منزل کا نشاں
مہدی امامِ کامراں — یعنی امیرِ کارواں
ہاں وہ نگارِ خوش ادا — یعنی غلامِ مصطفےٰ
لو آگیا وہ آگیا — بس اے جوانِ پارسا
اپنا قدم آگے بڑھا

حیدر علی ظفر
متعلم جامعہ احمدیہ ربوہ

قرآن مجید ــــ سرچشمۂ علوم

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قوت و اقتدار کا انحصار علم پر ہے۔ علم میں وہ طاقت ہے جو افراد اور اقوام کو زندگی سے ہمکنار کرتی ہے۔ کوئی قوم، کوئی ملک اور کوئی جماعت اس وقت تک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے تمام ارکان تعلیم یافتہ نہ ہوں۔ موجودہ زمانہ میں ترقی یافتہ اقوام کے ارتقاء کا راز نئے نئے علمی انکشافات سے ہی وابستہ ہے۔

علم کی اس ضرورت و اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید نے بار بار مسلمانوں کو اس کے حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہیں علماء کی فضیلت و برتری کا اعلان کیا ہے۔ کہیں علم کو خدا تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ تو کہیں علم حاصل کرنے اور جہالت سے پناہ مانگنے کی دعا سکھلائی ہے۔

اسلام نے نہ صرف علم کی ضرورت و اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ کیا ہے بلکہ ہمارے سامنے ایک ایسی کتاب پیش کی ہے جو تمام علوم کا منبع اور سرچشمہ ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (سورۃ الانعام آیت ۴۰) اور وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (سورۃ النحل آیت ۹۰) ان آیات میں یہ دعویٰ پیش کیا گیا ہے کہ قرآن مجید تمام علوم کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ تمام قائم رہنے والی صداقتیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ انسان کی تمام روحانی جسمانی اور مادی ضروریات کا حل اس میں پیش کیا گیا ہے۔ کوئی ایسی حقیقت نہیں جو اس میں بیان نہ کر دی گئی ہو۔ کوئی ایسی خوبی نہیں جو اس میں نہ پائی جاتی ہو اور کوئی ایسا علم نہیں جس کے اصول قرآن مجید نے بیان نہ کئے ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب "سرمہ چشم آریہ" میں آیت قرآنی "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اس کتاب سے کوئی دینی حقیقت باہر نہیں رہی۔ بلکہ یہ جمیع حقائق و معارف دینیہ پر مشتمل ہے اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ یعنی ہم نے یہ کتاب تمام علوم ضروریہ پر مشتمل نازل فرمائی ہے۔" (حاشیہ ص ۱۲)

پھر چند علوم کا ذکر کرنے کے ساتھ قرآن مجید کے منبع علوم ہونے کا فلسفہ یوں بیان فرمایا ہے:۔

"پھر علاوہ اس کے قرآن شریف نے

تائید دین میں اور ادر علوم سے بھی
اعجازی طور پر خدمت لی ہے۔ اور
منطق اور طبعی اور فلسفہ اور ہیئت
اور علم نفس اور طبابت اور علم ہندسہ
اور علم بلاغت وفصاحت وغیرہ علوم
کے وسائل سے علم دین کا سمجھانا اور
ذہن نشین کرنا یا اس کا تفہیم درجہ
بدرجہ آسان کر دینا۔ اس پر کوئی
برہان قائم کرنا یا اس سے کسی نادان
کا اعتراض اٹھانا مدنظر رکھا ہے۔"

(سرمہ چشم آریہ حاشیہ ص۸۲)

قرآن کریم ایک ایسا خزانہ ہے جس میں خدا تعالیٰ نے ہر قسم کے علوم و معارف جمع کر دیئے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ علوم جو نہ تو تورات میں موجود ہیں نہ انجیل میں۔ نہ ژندواوستا میں اور نہ کسی اور کتاب میں۔ ان کی طرف بھی قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے۔ تمام علوم خواہ وہ الٰہیات سے تعلق رکھتے ہوں یا انسان کی مادی ضرورتوں سے، معارف دین سے متعلق ہوں یا خواص روح و مادہ سے۔ روحانی ہوں یا جسمانی سارے کے سارے اصولی طور پر قرآن کریم میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

جَمِيعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْآنِ لٰكِنْ
تَقَاصَرَ عَنْهُ أَفْهَامُ الرِّجَالِ

(ازالہ اوہام)

اس بے نظیر، بے مثل اور افضل الکتب میں ایک نہیں دو نہیں بیسیوں علوم کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں علم تفسیر بھی ہے اور علم روایت و درایت بھی، علم تصوف بھی ہے اور علم اخلاق بھی۔ علم عقائد بھی ہے اور علم کلام بھی۔ علم شریعت بھی ہے اور علم معیشت بھی، علم فرائض بھی ہے اور علم قضا بھی۔ علم بدء عالم بھی ہے اور علم معاد بھی۔ اسی طرح اس میں طب اور سائنسی علوم کے متعلق بھی اصولی تعلیم ہے۔ اس میں عائلی قوانین بھی بیان کئے گئے ہیں اور بین الاقوامی امن قائم رکھنے والی تعلیمات بھی۔ تربیت کے اصول بھی ہیں اور جمہوریت کے بھی۔ سیاست کے اصول بھی ہیں اور تمدن کے اصول بھی۔

اب دیکھنا کہ قرآن مجید کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ تمام علوم و فنون کا منبع اور سرچشمہ ہے، ہمارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ کیا واقعی اس نے تمام علوم و فنون کی طرف اشارہ کیا ہے جن سے پہلے لوگ ناواقف تھے؟ ایک مفسر کی زبانی سنیئے۔ قاضی ابوبکر محمد بن عبد المعروف ابن العربی لکھتے ہیں:۔

"قرآن سے جن علوم کا استنباط ہوا
ہے ان کی تعداد ستر ہزار ہے۔"

(تاریخ التفسیر ص۱۴ بحوالہ خصائص القرآن ص۱۲۱)

اللہ اللہ! کتنی عظیم الشان ہے یہ کتاب جس سے ستر ہزار علوم کا استنباط ہوا ہے اور نہ معلوم اس میں اور کتنے علوم بیان کئے گئے ہیں جن کو پانے سے ہماری عقلیں قاصر ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ پہلی

قرآنی وحی ہی علم کے متعلق تھی۔ اور جبکہ سورۃ فاتحہ میں ہی چار علوم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اوّل الحمد سے یوم الدین تک علم اصولؔ کی طرف اشارہ ہے۔ دوم۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں علم فروح کی تشریح کی گئی ہے۔ سوم۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے مُسْتَقِیْم تک علم اخلاق بیان کیا گیا ہے۔ چھارم:۔ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ سے آخر تک اگلی امتوں کی سعادت اور شقاوت کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس کا نام علم تاریخ ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں قرآنی علوم کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان کے نزدیک تمام دینی علوم جو قرآن مجید سے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ ان پانچ اصولی دائروں میں محصور ہیں۔ وہ وہ علوم پنجگانہ یہ ہیں۔

اول۔ علم احکام۔ دوم۔ علم مناظرہ۔
سوم علم تذکیر بآلاء اللہ۔ چہارم علم تذکیر بایام اللہ۔ پنجم۔ علم تذکیر بالموت۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک تقریر میں جو کہ "سیر روحانی" جلد سوم میں چھپ چکی ہے۔ قرآنی علوم میں سے بائیس ۲۲ کا ذکر کیا ہے۔ وہ علوم مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) علم کائنات (۲) علم جغرافیہ (۳) علم جہازرانی (۴) علم طبّ (۵) علم ہندسہ (۶) علم ادب (۷) علم معانی (۸) علم بیان (۹) علم النفس (۱۰) علم کیمیا (۱۱) علم فلسفہ (۱۲) علم منطق (۱۳) علم موازنۂ مذاہب (۱۴) علم نباتات۔ (۱۵) علم توافق بین المخلوقات (۱۶) علم حیوانات (۱۷) علم معیشت (۱۸) علم اقتصاد (۱۹) علم شہریت (۲۰) علم تاریخ (۲۱) علم ہیئت عالم (۲۲) علم موسمیات۔

اب میں کسی قدر تفصیل سے ان میں سے چند علوم کا ذکر کرتا ہوں۔ سب سے پہلے علم النفس کو لیتا ہوں جس کے معنے ہیں دلی جذبات کو سمجھنا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّىْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ۔ (سورۃ شعراء ع) گویا قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ اگر انسان اپنے دلی جذبات کو سمجھے تو پھر اسے قرآن کا علم سمجھ میں آسکتا ہے۔

ایک علم، علمِ فلسفہ ہے۔ اس علم میں کسی چیز کی حکمت اور حقیقت کو بیان کیا جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (سورۃ نساء ع) اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ہر چیز کی حکمت ہوا کرتی ہے۔ وہ حکمت سیکھنے کی کوشش کرو۔ اسی حکمت کو فلسفہ کہتے ہیں جو کہ قرآن مجید میں بیان ہے۔

اسی طرح علم منطق ہے جس میں دو باتوں کو ملا کر صحیح نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ اور کسی بات کو دلیل کے ساتھ ثابت کیا جاتا ہے۔ اس علم کو بھی قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا

لہ جس میں خدا تعالےٰ کے اوصاف بیان کئے گئے ہوں۔

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ
نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا
اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا
يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ

(سورۃ بقرہ عٖ)

یہاں منطقی دلیل سے قرآن مجید نے توجہ دلائی ہے۔ کہ جو بات معقول ہو اس کو ماننا چاہیئے۔ اور جو غیر معقول ہو اس کو نہیں ماننا چاہیئے۔ نیز جو بات کہی گئی ہو اس کو دیکھنا چاہیئے۔ نہ کہ اس کی طرف جس نے وہ بات کہی ہو۔

پھر ایک علم اقتصاد ہے جس میں ملک کی مالی حالت کے متعلق علم بتایا جاتا ہے۔ کہ کس طرح خرچ کرنا چاہیئے اور کس طرح اسراف اور بخل سے بچنا چاہیئے۔ اس علم کی طرف "وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً
اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا
كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا
مَّحْسُوْرًا - (سورۃ بنی اسرائیل عٖ)
میں اشارہ ہے۔

علم تاریخ یعنی علم تذکیر بایام اللہ کی طرف بھی قرآن مجید نے توجہ دلائی ہے۔ بلکہ اس علم کو تو بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اقوامِ ماضیہ کے حالات بیان کرنا اس علم کا کام ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے جابجا گذشتہ انبیاء اور ان کی مخالف اقوام کا ذکر کیا ہے۔ ان کے شمائل، واخلاق، عادات و اطوار، صفات وخصائل، رسوم و رواج اور عقائد واعتقادات پر انتصار سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

قرآن مجید کے ایسے تمام حصے ایک مستند تاریخ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آیات قرآنیہ "ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ (سورۃ ہود عٖ) اور "لَقَدْ كَانَ فِىْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ" (سورۃ یوسف آیت ۱۱۱) میں علم تاریخ ہی بیان کیا گیا ہے۔

"سیر روحانی" میں مذکورہ علوم میں سے پانچ علوم کی تفصیل بیان کرنے کے بعد چند اور قرآنی علوم کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں جن کی نشاندہی "خصائص القرآن" میں کی گئی ہے وہ علوم یہ ہیں:۔

(۱) علم الحساب (۲) علم تعبیر رؤیا (۳) علم بدیع۔
(۴) علم عروض (۵) علم الامثال (۶) علم القیافہ۔
(۷) علم الصرف (۸) علم الرجال (۹) علم الاخلاق۔
(۱۰) علم التشریح (۱۱) علم جغرافیہ (۱۲) علم تجوید۔
(۱۳) علم الہیئت۔

مذکورہ بالا علوم میں سے چند ایک کا مختصراً ذکر کرتا ہوں۔ علم القیافہ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ایسا علم جس میں شکل دیکھ کر یہ بتا دینا کہ فلاں شخص کس قسم کے عادات اور خصائل کا حامل ہے اس علم کی طرف "رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِىِّ عَلَيْهِ

؎ مؤلفہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ایڈووکیٹ ہائیکورٹ حیدرآباد دکن

مِنَ الْمَوْتِ" (سورۃ محمد آیت ۲۱) میں اشارہ ہے۔

سیاروں کی حقیقت کو بھی قرآن نے بیان کیا ہے۔ ان کی رفتار اور گردش اور ان کے اثرات اور روشنی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس علم کو علم الہیئت کہتے ہیں۔ آیت قرآنی "تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا"۔ (سورۃ الشعراء آیت ۶۲) میں اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔

وہ علوم جن کی طرف قرآن مجید نے توجہ دلائی ہے ان میں سے ایک علم جغرافیہ بھی ہے جغرافیہ کا علم زمانہ کے موجودہ نقشہ پر بحث کرتا ہے۔ اس علم کو مندرجہ ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا۔ "اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ"۔ (سورۃ محمد آیت ۱۱)

علم الاخلاق بھی بہت وسعت کے ساتھ قرآن مجید میں ہے۔ یہ علم ہمارے افعال کی کسی اچھائی اور برائی کے متعلق فیصلہ کرتا ہے۔ نیز یہ بھی بتاتا ہے کہ کس طرح بری عادتوں کو چھوڑنا چاہیئے۔ اور اعلیٰ اخلاق وعادات کو اپنانا چاہیئے۔ آیت کریمہ "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ"۔ (سورۃ نحل آیت ۹۱) میں اخلاقِ حسنہ اور اخلاق سیّئہ کے تین تین مدارج بیان کئے گئے ہیں۔

علم تجوید کا بھی قرآن مجید میں ذکر پایا جاتا ہے اس علم میں بتایا جاتا ہے کہ عربی زبان خصوصاً قرآن کریم کے الفاظ کو ادا کرتے وقت کہاں کہاں ٹھہرنا ہے۔ کہاں حروف کو لمبا کرنا اور کہاں چھوٹا کرنا چاہیئے۔ آیت قرآنی "وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا" (سورۃ المزمّل آیت ۵) میں علم تجوید کے فوائد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اب میں چند جدید علمی انکشافات کا ذکر کرتا ہوں۔ جن کا اصولی علم آج سے چودہ سو سال قبل قرآن مجید نے ہمیں دیا ہے لیکن دنیا کو آج ان کا علم ہوا ہے۔ مثال کے طور پر زمین کی حرکت کو ہی لیں۔ ایک لمبے عرصہ تک یہی سمجھا جاتا تھا کہ زمین ٹھہری ہوئی ہے۔ زمین کی حرکت کا تو قریب کے زمانہ میں علم ہوا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے بہت عرصہ پہلے اس کی طرف یوں توجہ دلائی "وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ"۔ (سورۃ نمل آیت ۸۹) پھر زمین کے گول ہونے کا ثبوت سولھویں صدی عیسوی میں فراہم ہوا۔ لیکن قرآن کریم نے اس کی طرف ایک بلیغ اشارہ کر دیا تھا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ "مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا"۔ (الاعراف آیت ۱۳۸) نیز فرمایا۔ "رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ"۔ (الرحمٰن آیت ۱۸) اب یہ بات تو ظاہر ہو رہی ہے۔ کہ کئی مشرق اور کئی مغرب تو اسی وقت ہو سکتے ہیں۔ جب زمین گول ہو۔

جدید انکشافات میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ سورج کو بھی قرار نہیں۔ اس میں بھی محوری گردش کے علاوہ ایک اور حرکت پائی جاتی ہے اور سورج اپنے سارے نظام سمیت ایک خاص سمت کی طرف بڑھ رہا ہے کیسی عجیب بات ہے کہ اس کا اظہار خدا تعالےٰ نے عرب کے ایک اُمّی کے ذریعہ کرایا۔ جبکہ فرمایا۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (سورۃ یٰسٓ آیت ۳۹)

مزید برآں خلائی سفر اور راکٹ کا بھی قرآن مجید میں ذکر ملتا ہے اور اس کا ذکر قرآن نے ایسے لوگوں کے سامنے کیا جن کے وہم وگمان میں بھی یہ سفر نہیں آسکتا تھا۔ بلکہ ۱۹۵۰ء تک بھی موجودہ ترقی یافتہ دنیا کو اس کا کوئی امکان نظر نہ آتا تھا لیکن قرآن کریم نے اس امکان کا اظہار چودہ سو برس قبل ہی کر دیا تھا۔ فرمایا۔ "یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا۔ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ" (الرحمٰن آیت ۳۴)
پھر بین السیاری روابط جو کہ خالصتاً بیسویں صدی کا تخیل ہیں۔ اُسے بھی قرآن نے "وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ" (سورۃ شوریٰ آیت ۳۰) کے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔

لوہے اور فولاد کی افادیت کی دنیا آج قائل ہوئی ہے۔ فولاد سے تیار شدہ اشیاء کی ہیبت سے دنیا لرز رہی ہے۔ وہ قومیں کس قدر طاقتور بنی ہوئی ہیں۔ جنہیں فولاد کے استعمال کا علم حاصل ہے اور وہ قومیں کس قدر ذلیل اور کمزور ہیں جو اس علم سے بے بہرہ ہیں۔ لیکن آج سے ٹھیک چودہ سو سال قبل ایک اُمّی نے فاران کی چوٹیوں سے دنیائے عالم کو یہ پیغام سُنایا تھا کہ "وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔" (سورۃ حدید آیت ۲۶)

ریفری جیریٹر کی ایجاد سے آج لوگ چیزوں کو ایک عرصہ کے لئے اسی حالت میں قائم رکھنے پر قادر ہو گئے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ قرآن مجید نے حضرت حزقیل علیہ السلام کے بیت المقدس کے پاس سے گذرنے کے ذکر کے ساتھ " فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ" (سورۃ بقرہ آیت ۲۶۹) کے الفاظ رکھکر بتا دیا۔ کہ بعض چیزوں کو ایک لمبے عرصہ تک سنبھال کر رکھا جا سکتا ہے۔

عام طور پر لوگ صرف زرد رنگ کے شہد کے واقف ہیں۔ لیکن ماہرین نحل کہتے ہیں کہ سبز، سرخ اور ہلکے گلابی رنگ کے بھی شہد گاہے گاہے دیکھنے میں آتے ہیں۔ کیونکہ جس رنگ کے پھولوں پر شہد کی مکھیاں بیٹھیں گی۔ اسی رنگ کا شہد ان کے پیٹ سے نکلے گا۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو "یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ۔" (سورۃ نحل آیت ۷۰) کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

مغرب کے علمائے نباتات نے صدیوں کی تلاش و جستجو کے بعد نباتات میں نرومادہ کا نظریہ قائم کیا ہے اس نظریہ کو ایک جدید ترین اور ماڈرن سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل بہ بانگ دہل یہ اعلان کیا تھا۔ "وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ" (سورۃ ذاریات آیت ۵۰) یعنی ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں۔ ہر چیز کے جوڑے ہونے کا انکشاف آج ہوا ہے ایٹم میں جو باریک ذرے مثلاً الیکٹران اور پروٹان موجود ہیں۔ ان میں بھی جوڑے موجود ہیں۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے زمانہ میں اس حقیقت سے پردہ اُٹھایا جن کو تاریخ کا "تاریک ترین زمانہ" کہا جاتا ہے۔

غرض قرآن مجید کے علوم و فنون کا کہاں تک ذکر کیا جائے۔ اس قدر لکھ کر انسان کا قلم رُک جاتا ہے اور وہ سوچنے لگتا ہے کہ قرآن مجید کیا ہے؟ کیا یہ ایک ضخیم کتاب ہے جس میں تمام علوم سمو کر رکھ دیئے گئے ہیں؟ کیا یہ ایک بحر بیکراں ہے جس کی تہہ میں علوم و فنون کے لاکھوں قیمتی جواہرات پائے جاتے ہیں؟ یہ سب کچھ درست ہے لیکن قرآن مجید صرف ایک کتاب اور سمندر ہی نہیں بلکہ یہ تو ایک عالم ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے۔

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

پس خدا تعالےٰ کا یہ ازلی و ابدی کلام، مسلمانوں کا ملجا و ماوٰی، نسل انسانی کا مکمل ضابطہ حیات، قدیم و جدید صداقتوں کا مظہر اور عالم انسانی کا بہترین راہنما جس نے یورپ کی جابرانہ حکومت کو پاش پاش کر دیا۔ جس نے غلاموں کو غلامی سے نجات دلائی جس نے دنیا میں امن و امان قائم کیا۔ جس نے دنیا کی کایا پلٹ دی جس کے سامنے عرب کے بڑے بڑے فصیح و بلیغ ادیب اور انشاء پردازوں نے سر تسلیم خم کیا۔ جس کی روحانی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ اس پر عمل کرنے والے نہ صرف علوم و فنون میں دنیا کے استاد بنے۔ بلکہ وہ حیوانوں سے انسان بنے۔ انسانوں سے با اخلاق انسان بنے اور با اخلاق انسانوں سے باخدا انسان بنے۔

قرآن مجید کی برکت سے انہوں نے نہ صرف روحانیت کے مقام میں ترقیات حاصل کیں۔ بلکہ مادی ترقیات کے دروازے بھی اُن پر کھلے۔ متاخرین نے تو اس سے وہ فیض پایا۔ جس کا اہل یورپ اور امریکہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے قرآن مجید کی روشنی میں وہ وہ علوم ایجاد کیئے جن کا عقل انسانی گمان بھی نہیں کر سکتی تھی۔ یہ مسلمان ساری دنیا کے علوم و فنون کے حامل بن گئے۔ بغداد۔ قاہرہ، غرناطہ، طلیطلہ اور قرطبہ ایسی عظیم الشان یونیورسٹیاں قائم ہوئیں قدیم قلمی نسخوں کے مسودے فراہم کیئے۔ یونانی علوم کی کتابوں کے ترجمے کیئے اور پھر ان کے ترجمے یورپ میں گئے اور یورپ نے ان سے فائدہ اٹھایا۔

قرآن مجید ہی کی بدولت مسلمانوں نے علمی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اور مخالفوں سے اپنی صداقت کا سکہ منوایا۔ وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ

بہ الاعداء۔ چنانچہ ایک مشہور فرانسیسی فلاسفر اپنے ایک لیکچر میں مسلمانوں کی علمی برتری کا یوں اقرار کرتا ہے :۔

"جدید علمی انکشافات میں یا اُن مسائل میں جن کو ہم نے اپنے علم کے زور سے حل کیا ہے یا ہنوز وہ زیر تحقیق و نظر ہیں۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو تعلیمات قرآن کے مخالف ہو۔ ہم عیسائیوں نے عیسائیت کو علم و سائنس کے ہم آہنگ و ہم نشین بنانے میں اب تک جتنی کوششیں کی ہیں اسلام و قرآن میں یہ سب کچھ پہلے ہی موجود ہے اور پوری طرح موجود ہے" (بحوالہ پیام امین از محمد عبداللہ منہاس صفحہ ۹۵)

ایک مستشرق مسٹر لڈف کریل نے لکھا ہے۔

"قرآن عقائد و اخلاق اور نیز اُن پر مبنی قانون کا ایک مکمل ضابطہ پیش کرتا ہے اس میں ایک وسیع جمہوریت کے تمام آئین و اصول کے لئے، رشد و ہدایت کے لئے، انصاف و عدالت کے لئے، فوجی تنظیم و تربیت کیلئے، مالیات کے لئے، غرباء کے متعلق نہایت محتاط قانون سازی کیلئے بنیادیں رکھی گئی ہیں" (پیام امین صفحہ ۶۳)

مسٹر جان ڈیون پورٹ جو کہ ایک مشہور ادیب اور مایہ ناز سیرت نگار ہے اپنی کتاب The great Teacher میں لکھتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"قرآن عالم اسلامی کا ایک مشترکہ قانون ہے یہ معاشرتی، ملکی، تجارتی، فوجی، عدالتی، اور تعزیری معاملات پر حاوی ہے لیکن بایں ہمہ ایک مذہبی ضابطہ ہے ..... مذہبی رسوم سے لیکر حیات روزمرہ کے افعال، رُوحانی نجات سے جسمانی صحت، اجتماعی حقوق سے انفرادی حقوق، شرافت سے دیانت اور دنیوی سزا سے لے کر اُخروی عقوبت تک تمام امور کو سلک ضابطہ میں منسلک کر دیا ہے"۔ (پیام امین صفحہ ۸۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید تمام علوم کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ اس کی تعلیمات وسیع اور عالمگیر ہیں۔ مذہبی اور اخلاقی ضوابط بھی اس میں بیان ہیں۔ جدید اور علمی انکشافات کی طرف بھی اس میں اشارات پائے جاتے ہیں۔ کوئی صداقت نہیں جس کو قرآن نے بیان نہ کیا ہو۔ اور کوئی حقیقت نہیں جو اس میں نہ پائی جاتی ہو۔ اس کے علوم اور حقائق و معارف کا احاطہ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ یہ تو ان مضامین اور علوم کی ایک جھلک ہے۔ جسے آج میں آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ یہ وہ کلام ہے جس کے حقائق و معارف اور اور علوم و فنون کو قلمبند کرنے کے لئے سمندر کا پانی سیاہی میں بدل جائے اور دنیا بھر کے درختوں کی

شاخیں قلموں کی صورت میں تراش لی جائیں تو پھر بھی کفایت نہ کر سکیں۔ جیسا کہ وہ خدائے علیم و خبیر خود فرماتا ہے:۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا۔" (سورۃ کہف آخری رکوع)

نوٹ:۔ ذیل میں کچھ علوم کی فہرست درج کی جاتی ہے۔ جن کی طرف اشارۃً یا کنایۃً اور بعض کی طرف تفصیلاً قرآن مجید نے ہماری راہنمائی کی ہے قرآنی علوم سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس بحر ذخّار میں غوطے لگا کر قیمتی جواہرات نکالیں اور دنیا کو قرآنی علوم سے روشناس کرائیں۔

(۱) علم الالسنہ (۲) علم النحو (۳) علم طبیعات۔ (۴) علم السیاحت (۵) علم الافلاک (۶) علم السباحۃ (۷) علم الصحافت (۸) علم انشاء (۹) علم کتابت (۱۰) علم التعلیم (۱۱) علم خطابت (۱۲) علم قصّہ نویسی (۱۳) علم قرأت (۱۴) علم الجو (۱۵) علم الشعر۔ (۱۶) علم السیر (۱۷) علم الاقوام (۱۸) علم التعبیر (۱۹) علم مجسمہ سازی (۲۰) علم مصوّری (۲۱) علم صنعت (۲۲) علم فزکس (۲۳) علم کیمسٹری (۲۴) علم طبقات الارض (۲۵) علم الارتقاء (۲۶) علم العناصر (۲۷) علم الامراض (۲۸) علم المجرمین (۲۹) علم اللباس (۳۰) علم القیامت (۳۱) علم التمدن (۳۲) علم لہو و لعب (۳۳) علم انجینئرنگ (۳۴) علم الالوان۔ (۳۵) علم الاغذیہ (۳۶) علم الاشربہ (۳۷) علم الارواح (۳۸) علم زراعت (۳۹) علم الادویہ (۴۰) علم الادعیہ والاذکار (۴۱) علم الصحت (۴۲) علم التجارت (۴۳) علم حقیقت (۴۴) علم ریاضت (۴۵) علم النجوم (۴۶) علم الجفر (۴۷) علم الرمل (۴۸) علم مسمریزم (۴۹) علم التسخیر (۵۰) علم الروایات (۵۱) علم حدیث (۵۲) علم البشرہ (۵۳) علم الرؤیا (۵۴) علم الاستخارہ (۵۵) علم القدر (۵۶) کاٹنے کا علم (۵۷) پیشگوئیوں کا علم۔ (۵۸) علم الادیان (۵۹) علم المذاہب (۶۰) جانوروں کے پالنے کا علم (۶۱) علم الآثار ۔

اس مضمون کی تیاری میں خاکسار نے مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا ہے۔

۱۔ تفسیر صغیر از حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ

۲۔ شانِ قرآن۔ مؤلفہ سلطان احمد پیرکوٹی۔

۳۔ سیر روحانی۔ از حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ

۴۔ تقاریر ثلاثہ۔ " " "

۵۔ خصائص القرآن۔ از مولوی محمد اسمٰعیل فاضل۔

۶۔ دو قرآن از غلام جیلانی برقؔ

۷۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر از سید ولی اللہ محدث دہلوی۔

۸۔ القرآن ینبوع العلوم والعرفان از علی نقوی

۹۔ پیامِ امین مؤلفہ محمد عبید اللہ منہاس۔

۱۰۔ العلم والعلماء۔ مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی

مکرم پروفیسر چوہدری حمید اللہ صاحب ایم۔ اے
مہتمم تربیت خدام الاحمدیہ مرکزیہ

چند تربیتی امور

خدام کی تربیت اس رنگ میں ہونی چاہیئے کہ ان کے قول و فعل کو دیکھکر یہ اثر پیدا ہو کہ یہ احمدی مسلمان ہیں۔ اور ہر موقعہ پر شریعت اسلامیہ کے اوامر و نواہی کا لحاظ رکھتے ہیں۔ پنجوقت نماز باجماعت کے پابند ہوں۔ اگر نماز باجماعت کی سہولت میسّر نہیں تو اکیلے ہی نماز ادا کرتے ہوں۔ نماز جمعہ میں شمولیت اختیار کرتے ہوں۔ نماز تہجد کی ادائیگی کی عادت ہو۔ دعاؤں اور ذکر الٰہی میں شغف رکھتے ہوں۔ جب ایک دوسرے سے ملیں تو السلام علیکم کہنے کی عادت ہو۔ اسی طرح اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کھانے پینے سے متعلق اسلامی آداب کو بجا لاتے ہوں۔

اچھے اخلاق۔ صداقت۔ استقلال۔ شجاعت۔ ایثار۔ امانت۔ دیانت۔ قربانی۔ عدل۔ حلم۔ نرمی۔ درگزر۔ اطاعت وغیرہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہوں۔ اور بُرے اخلاق۔ جھوٹ۔ ظلم۔ غیبت۔ دھوکہ بزدلی۔ لالچ۔ حرص۔ تکبر نخوت۔ بدظنی وغیرہ اور دوسری مکروہات سے کوسوں دور ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قائم کردہ جماعت۔ اس کے اغراض و مقاصد اور خلافت احمدیہ سے ان کو عشق ہو اور ان کی خاطر ہر قربانی کے لئے تیار ہوں۔

مجالس کی ماہانہ کارگزاری کی رپورٹوں کا جائزہ لیتے وقت انہی موٹے موٹے امور کو مدنظر رکھا جانا چاہیئے۔

قابلِ تقلید نمونہ

مکرم قائد صاحب ضلع لاہور نے ماہ تبلیغ میں مجلس ضلع لاہور کی طرف سے رسالہ خالد و تشحیذ کے ۱۲۱ خریدار بنائے ہیں اور تمام رقوم نقد بھجوا دی ہیں اسی طرح مکرم قائد صاحب لاہور شہر نے بھی ایک صد روپے کے اشتہارات دیئے ہیں اور مزید اشتہارات دینے اور خریدار بنانے کا وعدہ کیا ہے ہر دو قائدین اس مساعی جمیلہ پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ فجزاھما اللہ احسن الجزاء۔

اگر جملہ قائدین بھی اسی طرح کوشش کریں تو انشاء رسالہ خالد جلد سفید کاغذ پر زیادہ عمدگی سے شائع کیا جا سکتا ہے۔

(مہتمم اشاعت خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔ ربوہ)

مجالس کی دوڑ

(اس دوڑ میں ماہ دسمبر کی رپورٹوں کا جائزہ لیا گیا ہے)

۱۔ شعبہ اعتماد:۔ شعبہ اعتماد کے تعلق میں سب سے زیادہ اہمیت کا کام ماہوار رپورٹوں کی باقاعدہ ترسیل ہے۔ گزشتہ ماہ فتح (دسمبر) کے دوران رپورٹوں کی ترسیل کے لحاظ سے ضلع جھنگ خدا تعالیٰ کے فضل سے سب اضلاع میں سے اوّل رہا ہے۔ ضلع سرگودھا دوم اور ضلع لائلپور سوم رہا ہے۔ ضلع لاہور۔ ساہیوال۔ ملتان اور پشاور کا قدم بھی ترقی کی جانب اٹھتا نظر آتا ہے۔ ضلع جھنگ کی ۴۲ مجالس میں سے ۲۲ رپورٹیں ضلع سرگودھا کی ۶۲ مجالس میں سے ۴۷ ضلع لائلپور کی ۸۱ مجالس میں سے ۶۰ کی رپورٹیں موصول ہوئیں۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ یہ تینوں اضلاع گزشتہ سال قیادت اضلاع کے مجموعی سالانہ مقابلہ میں انعام حاصل کر چکے ہیں۔ یعنی سرگودھا اوّل۔ لائلپور دوم۔ جھنگ سوم رہا تھا۔ اس ماہ مجالس کی دوڑ میں میدانِ عمل کے دوسرے کنارے پر شیخوپورہ بہت نمایاں نظر آتا ہے جس کی ۹۴ مجالس میں سے صرف ۱۰ رپورٹیں ملی ہیں۔

چھوٹے اضلاع میں سانگھڑ۔ دادو۔ جیکب آباد کوہاٹ بنوں اور کوئٹہ کی حالت سخت قابلِ ذکر ہے کیونکہ ان اضلاع کی مجالس کی طرف سے کوئی ایک رپورٹ بھی موصول نہیں ہوئی۔ دیگر اضلاع میں سے جہلم میانوالی حیدرآباد۔ تھرپارکر۔ مظفرگڑھ۔ ڈیرہ غازیخاں اور رحیم یارخاں اس دوڑ میں کافی پیچھے رہے ہیں۔ اسی طرح علاقہ آزاد کشمیر تھوڑا سا آگے قدم بڑھانے کے بعد اب پھر سو گیا ہے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے۔ کہ گذشتہ سال کے اسی ماہ کی آمدہ رپورٹوں کی کل تعداد ۲۱۴ کے مقابل پر موجودہ تعداد ۲۹۶ ہے۔ جو خدا کے فضل سے ایک خوشکن اضافہ ہے فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

رپورٹوں کی تعداد کا ضلعوار تفصیلی گوشوارہ درج ذیل ہے:۔

ضلعوار تفصیلی گوشوارہ

نام ضلع	تعداد مجالس	تعداد رپورٹس
پشاور	۱۰	۶
مردان	۳	۲
ہزارہ	۷	۲
ڈیرہ اسمٰعیل خاں	۱	۱
کوہاٹ	۲	-
بنوں	۱	۰
راولپنڈی	۱۴	۱۰
جہلم	۱۰	۳
کیمبل پور	۴	-
گجرات	۳۱	۱۲

نام ضلع	تعداد مجالس	تعداد رپورٹس
سرگودھا	۶۲	۴۷
میانوالی	۱۰	۱
جھنگ	۲۴	۲۲
لائل پور	۸۱	۶۰
لاہور	۳۰	۲۱
سیالکوٹ	۷۸	۱۸
گوجرانوالہ	۳۴	۱۲
شیخوپورہ	۴۹	۸
ملتان	۳۵	۱۸
ساہیوال	۲۱	۱۴
مظفرگڑھ	۱۴	۳
ڈیرہ غازیخاں	۱۰	۴
بہاولپور	۱۵	۳
بہاولنگر	۲۲	۳
رحیم یارخاں	۱۷	۲
خیرپور	۹	۲
سکھر	۴	۱
جیکب آباد	۲	-
لاڑکانہ	۷	۲
نوابشاہ	۲۲	۵
حیدرآباد	۲۳	۳
سانگھڑ	۳	-
دادو	۳	-
تھرپارکر	۲۶	۸

نام ضلع	تعداد مجالس	تعداد رپورٹس
کوئٹہ	۳	-
کراچی	۳	۲
آزاد کشمیر	۱۴	۱
مجالس مشرقی پاکستان		
مجالس بیرون پاکستان ان میں سے صرف		۳*

* مجالس طہران (ایران)، بالٹی مور (امریکہ) اور ماریشس کی رپورٹیں مل چکی ہیں۔

۲۔ مال:۔ اس شعبہ میں ضلع سرگودھا اول ضلع ڈیرہ غازیخاں دوئم اور ضلع ساہیوال سوئم ہے۔ اور ضلع خیرپور اس دوڑ کے دوسرے کنارے پر ہے۔ اس کے علاوہ مجلس خدام الاحمدیہ ڈرگ روڈ کی مساعی قابل رشک ہے انہوں نے مرکزی ہدایات کے مطابق یکم تبلیغ تا ۷ تبلیغ ہفتہ وصولی منایا جس میں ۳۴۳/- روپے کی رقم وصول ہوئی۔

۳۔ تربیت:۔ مہتمم صاحب کی رپورٹ کے مطابق مجالس کی طرف سے نماز باجماعت کی ادائیگی کی تو کچھ نہ کچھ رپورٹ ملی ہے لیکن باقی امور کے بارے میں بالعموم چھوٹی بڑی سبھی مجالس نے کوئی اندراج نہیں کیا۔ حالانکہ اسلامی اخلاق وآداب کا قیام ذکر الٰہی۔ نوافل اور تہجد کی ادائیگی وغیرہ تربیت کے لحاظ سے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں امید ہے۔ مجالس ان کی طرف توجہ دیں گی۔

مندرجہ ذیل مجالس میں ماہ جنوری کے دوران کسی ایک نماز باجماعت میں خدام کی اوسطاً حاضری ۸۰ فیصد

پاسو فیصد کے قریب تھی۔ 63/D.B جنوبی (ضلع بہاولپور) 646/گ ب (ضلع لائلپور) بستی مسلم شیخاں (سرگودھا) بھیرہ (سرگودھا) گھٹیالیاں (سیالکوٹ) مہدی آباد للیانی۔ 57/M.L۔ ٹوپی۔ تونسہ شریف (ڈیرہ غازیخاں) گوٹھ تلی محمد (خیرپور) چاہ بھاگو والی (ملتان) چک 35 شمالی (سرگودھا) روڈہ (سرگودھا)

اکثر مجالس کی حاضری تسلی بخش نہیں ہے سرگودہا راولپنڈی، اسلام آباد۔ ڈھاکہ۔ شیخوپورہ۔ پشاور ربوہ۔ ان مجالس نے حاضری درج نہیں کی ہے باقی مجالس میں حاضری کے لحاظ سے لائلپور اوّل سیالکوٹ دوم اور گنج مغلپورہ لاہور سوم ہے۔

۴۔ **شعبہ عمومی**:۔ اس شعبہ میں لاہور۔ کراچی اور راولپنڈی میں متفرق کام ہوا ہے اس لئے معین طور پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ سیالکوٹ پشاور۔ سرگودھا اور لائلپور بھی کام شروع کر چکے ہیں۔ اگلے مہینہ میں انشاء اللہ ان کے کام کا نتیجہ نکل آئے گا۔

۵۔ **شعبہ اشاعت**:۔ اس شعبہ میں لاہور اوّل لائلپور دوئم اور کراچی سوئم ہے۔ سرگودھا کا کام بھی قابلِ ذکر ہے ضلع ساہیوال دوڑ کے دوسرے کنارے پر نمایاں نظر آرہا ہے۔ اس کے علاوہ اکثر مجالس کا کام معیار سے گرا ہوا ہے۔ توجہ کی ضرورت ہے۔

۶۔ **شعبہ وقارِ عمل**:۔ مہتمم صاحب کی رپورٹ کے مطابق ربوہ اوّل۔ سرگودھا دوئم اور لائلپور سوئم ہے۔ اس کے علاوہ مجلس خدام الاحمدیہ ڈیرہ اسمٰعیلخان کا کام قابلِ ذکر ہے۔ جس میں انہوں نے مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کی جگہ خود کام کیا۔ اور ایک دن کی مزدوری بچائی۔ چودہ خدام میں سے گیارہ شامل ہوئے۔ یہ وقارِ عمل آٹھ گھنٹے تک جاری رہا۔

۷۔ **شعبہ تحریک جدید**:۔ اس شعبہ میں مجلس سرگودہا اول مجلس ملتان اور ڈرگ روڈ کراچی دوم اور گنج مغلپورہ لاہور اور بہاولپور سوئم ہیں۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مجالس کا کام قابلِ ذکر ہے:۔ پیران غائب (ملتان) چک ۳۳ شمالی۔ چک ۸۶ جنوبی۔ چک ۸ جنوبی ۱۵۲ جنوبی۔ چک منگلا (سرگودھا) پنڈی بھیگووال (راولپنڈی) کنری (سندھ) ترگڑی (گوجرانوالہ) چک چٹھہ (گوجرانوالہ) کرتو (شیخوپورہ)

۸۔ **خدمتِ خلق**:۔ اس شعبہ میں مہتمم صاحب کی رپورٹ کے مطابق ضلع لائلپور اوّل۔ سرگودھا دوئم اور کراچی سوئم ہے:

۹۔ **خالی شعبے**:۔ ۱۔ شعبہ تجنید
۲۔ صنعت و تجارت۔
۳۔ صحت جسمانی۔
۴۔ تعلیم۔
۵۔ اصلاح وارشاد۔

افسوس ہے کہ ان شعبوں میں دوڑنے والے تو موجود تھے لیکن انکے ریفری غائب تھے۔ اس لئے انکی دوڑ ہم نہیں کرا سکے اگر مجالس ان شعبوں میں دوڑ کا نتیجہ معلوم کرنا چاہیں تو انہیں ادارہ کی طرف رجوع کرنے کی بجائے متعلقہ مہتممین صاحبان کی طرف احتجاجی خطوط لکھ سکتی ہیں۔

نمایاں تربیتی کلاس

(نوٹ:۔ جملہ قائدین سے التماس ہے کہ تربیتی کلاسوں کے انعقاد سے قبل اس قسم کے جائزے لے لیا کریں اور پھر ان کو مدنظر رکھ کے مطلع کیا کریں کہ اس کلاس کے نتیجہ میں کس قدر ترقی ہوئی۔ یہ کلاس جس کا ذکر کیا گیا ہے اس لحاظ سے مثالی کلاس ہے)

مجلس خدام الاحمدیہ ضلع لاہور کی پہلی دو روزہ تربیتی کلاس بروز ہفتہ ۲۵/۱/۶۹ بعد نماز مغرب موضع ہانڈو گوجر منعقد ہوئی اور دوسرے دن ۲۶/۱/۶۹ کو بعد نماز عصر اختتام پذیر ہوئی۔ اس کلاس میں کل حاضری ۵۲ تھی۔

ابتدائی جائزہ:۔

نیت نماز مع ترجمہ جاننے والوں کی کل تعداد = ۶
نماز سادہ مکمل صورت میں جاننے والوں کی کل تعداد۔ ۲۰
نماز باترجمہ مکمل صورت میں جاننے والوں کی کل تعداد۔ ۸

اختتامی جائزہ:۔

نیت نماز مع ترجمہ مکمل صورت میں جاننے والے۔ ۳۳
نماز سادہ مکمل صورت میں جاننے والے۔ ۴۲
نماز باترجمہ نامکمل صورت میں جاننے والے۔ ۹
نماز باترجمہ مکمل جاننے والے۔ ۲۶

دوران کلاس خاص کام۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے سب سے اہم کام یعنی نماز سیکھنے کے علاوہ حسب ذیل دو امور بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے سرانجام پائے۔

(۱) تعمیر مسجد مقامی کے لئے -/۳۰۰۰ روپے کے وعدہ جات موصول ہوئے جن کی ادائیگی ۱۵ فروری ۱۹۶۹ء میں انشاء اللہ تعالیٰ ہوگی۔

(۲) لجنہ کی ایک ممبر نے نظام وصیت میں شمولیت کی جس کی جائیداد اٹھائیس ہزار روپے تھی۔

رپورٹ تربیتی کلاس مجلس سرگودھا

مجلس خدام الاحمدیہ سرگودھا شہر نے ماہ اخاء ۱۳۴۷ ہش میں سالانہ اجتماع کے فوراً بعد دو روزہ تربیتی کلاس منعقد کی جس میں محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے ازراہِ شفقت شرکت فرما کر مجلس کی عزت افزائی فرمائی۔ یہ کلاس ۲۷ ماہ اخاء کو عصر کی نماز کے بعد شروع ہو کر ۲۸ اخاء کی شام کو مغرب تک جاری رہی۔

کلاس کا افتتاح محترم حافظ مسعود احمد صاحب نائب امیر جماعت سرگودھا نے فرمایا۔ آپ نے خدام اور اطفال کو موجودہ زمانے کے دینی تقاضوں کو پورا کرنے کی طرف مختصر لیکن مؤثر طریق سے توجہ دلائی۔

اس کلاس کا خصوصی پروگرام حسب ذیل رہا:۔

(۱) خدام نے رات مسجد میں گزاری اور صبح تہجد کی نماز باجماعت ادا کی۔

(۲) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ٹیپ شدہ تقاریر سنائی گئیں۔

(۳) مکرم پروفیسر چوہدری محمد دین صاحب انور اور مکرم پروفیسر چوہدری رحمت علی صاحب مسلم نے عمدہ اور ایمان افروز تقاریر بر تربیت اطفال اور ذکر حبیب پڑھیں۔

۲۸ اخاء نماز عصر کے وقت محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ سے تشریف لائے اور انعامات تقسیم کرنے کے بعد خدام کو ایک خطاب سے نوازا۔ جس میں آپ نے مجلس سرگودھا شہر کے ترقی کی طرف بڑھتے ہوئے قدم کو سراہا اور فرمایا کہ اجتماع کے فوراً بعد تربیتی کلاس کا منعقد کرنا اس بات کی علامت ہے کہ مجلس سال کے آخر میں بھی سست نہیں ہوئی۔ بلکہ اس نے آخر تک تربیتی روح کو قائم رکھا ہے۔ آپ نے غفلت سے کام لینے والے خدام میں دین کی طرف زیادہ رغبت پیدا کرنے کے لئے کارکنوں کو حسب ذیل ہدایات فرمائیں:۔

(۱) عجز اور انکسار سے کام لیا جائے۔ نصیحت کرنے میں نرمی اختیار کی جائے۔ اور اس میں کسی قسم کے طعن و تشنیع کا پہلو نہ ہو۔

(۲) روحانی انقلاب صبر اور استقلال سے ہی پیدا کیا جا سکتا ہے۔

(۳) عملی کوششوں کے ساتھ دعا کی بہت ضرورت ہوتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کوششوں میں برکت ڈالے اور انہیں بارآور کرے۔

آخر میں آپ نے دعا کرائی اور یہ کلاس اختتام پذیر ہوئی۔

(مرزا اشفاق احمد نمائندہ خصوصی برائے خالد۔ سرگودھا شہر)

ایک شاندار اجتماعی وقارِ عمل

مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۶۹ء بروز اتوار مجلس خدام الاحمدیہ ڈرگ روڈ کے زیر اہتمام ایک شاندار اجتماعی وقارِ عمل منعقد ہوا۔ جس میں ۶۰ خدام، دو انصار اور سولہ اطفال نے شرکت کی۔

وقارِ عمل شروع ہونے سے قبل تلاوت کے بعد مکرم عبدالشکور صاحب اسلم قائد مجلس نے تقریر فرمائی جس میں انہوں نے وقارِ عمل کے فوائد اور اہمیت کو مختصر اور جامع الفاظ میں بیان کیا۔ آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کے ارشادات بابت "وقارِ عمل" بھی پڑھ کر سنائے۔ اس مبارک اور مختصر تقریب کے بعد محترم قائد صاحب مجلس کی ہدایات پر وقارِ عمل شروع ہوا۔ وقارِ عمل کیلئے دو جگہوں کا انتخاب کیا گیا۔ ایک جگہ جہاں سے مٹی کو کھودا گیا ہے۔ اور دوسری جگہ جہاں مٹی ڈالی گئی ہے۔ جو کچھ فاصلے پر تھی۔ دونوں اطراف کی نگرانی قائد صاحب مجلس کرتے رہے۔ خدام اطفال و انصار نے دو گھنٹے تک پورے جذبے سے کام کیا۔ اس موقعہ پر ایک گدھا گاڑی کا بھی انتظام کیا گیا۔ جس پر خدام مٹی لاد کر دوسری جگہ ڈالتے رہے۔ یہ گڑھا جو خدام نے پر کیا۔ جماعت اور خدام کے دفتر کے سامنے تھا۔ اور ۹۰ مربع گز AREA کا تھا۔

عبدالرشید سماٹری
نامہ نگار خصوصی ماہنامہ خالد - کراچی

تراشے

"دنیا میں شادیوں کے طریقے"

★ مختلف ممالک میں شادی کی رسومات بھی مختلف ہوتی ہیں۔ مسلمانوں میں تو یہ آزادی ہے کہ ایک مرد بیک وقت چار شادیاں کر سکتا ہے لیکن بعض ایسی اقوام بھی ہیں جن میں عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ شوہر رکھ سکے۔ یہ رسم تبت اور ہندوستان کی مختلف اقوام میں رائج ہے۔

★ ٹانگانیکا افریقہ کا ایک علاقہ ہے۔ یہاں اگر کوئی نوجوان شادی کرنا چاہتا ہے تو اپنے کسی دوست کے ہاتھ لڑکی کی والدہ کو ایک بیلچہ بھیجتا ہے۔ اس کے دستے پر موتیوں کا ہار ہوتا ہے۔ اگر لڑکی کو لڑکا پسند ہو تو وہ ہار پہن کر رضامندی کا اظہار کرتی ہے۔

★ کالاہاری ریگستان ایک غیر آباد علاقہ ہے وہاں کے باسیوں کا پیشہ مویشی پالنا ہے۔ لڑکا اسی وقت شادی کر سکتا ہے جبکہ وہ لڑکی کے والد کو کافی تعداد میں مویشی دے۔

★ جنوبی ہندوستان میں چند بھائی مل کر ایک ہی لڑکی سے شادی کر لیتے ہیں۔ بڑا بھائی زیادہ بااختیار سمجھا جاتا ہے۔

(ماخوذ از سیارہ ڈائجسٹ نومبر ۶۴ء)

(مرسلہ: محمد عمر صاحب تنویر نامہ نگار خصوصی خالد - لائلپور)

Monthly KHALID Rabwah

MAN—1348, MARCH—1969 Regd. No. L 5830

ممبران مجلس خدام الاحمدیہ ڈرگ روڈ وقار عمل منا رہے ہیں ۔

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا